حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس

انجمن ترقی تعلیم حیدرآباد دکن

چودھویں سالانہ

اجلاس

۱۳۵۳ ف

کی

روئداد

فہرست مضامین

سلسلہ نشان	عنوان	نام	صفحہ
۱	تمہید		۱
	اجلاس اول		
۲	خطبہ صدارت	عالیجناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر امیر پائیگاہ	۳
۳	تحریک اظہار عقیدت بندگانعالی	از کرسی صدارت	۱۶
۴	تحریکات تعزیت	جناب مولوی غلام احمد خانصاحب	۱۶
	اجلاس دوم		
۵	تحریک قیام مدارس نسوان صنعتی		۱۷
۶	تحریک ارزانی قیمت کتب و سامان تعلیمی	"	۱۷
۷	غضب اور اس کا نفسیاتی و مذہبی علاج (مقالہ)	جناب ڈاکٹر میر ولی صاحب پی ایچ۔ڈی	۱۸
۸	تحریک تعلیم ڈرائنگ و خوشنویسی	"	۲۶
۹	مدرسہ اور اولیاء اور ان کے باہمی فرائض (مقالہ)	جناب مولوی میر احمد علیخانصاحب ام۔اے	۲۷
	اجلاس سوم		
۱۰	تحریک قیام امتحانات منشی وغیرہ	"	۳۵
۱۱	تحریک قیام مدرسہ زراعتی	"	۳۵

تمہید

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کا چودھواں اجلاس شہر گلبرگہ میں بتواریخ ۱۹ اور ۲۰ ماہ دے ۱۳۵۲ف منعقد ہوا۔ اس کی روئداد معذرت تعویق کے ساتھ ارکان کانفرنس اور بہی خواہان ملک کی خدمت میں گذرانی جاتی ہے۔

ورنگل میں کانفرنس کا تیرھواں اجلاس کامیابی کے ساتھ منعقد ہو جانے کے بعد صوبہ گلبرگہ کے تاریخی، مذہبی، تجارتی شہر گلبرگہ میں اجلاس کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کامیابی کے ساتھ عمل میں لایا گیا۔

گلبرگہ میں کانفرنس کے اجلاس کا انعقاد نواب غوث یار جنگ بہادر صوبہ دار وقت اور مولوی سید ذوالفقار علی صاحب حقانی صدر انٹرمیڈیٹ کالج کی گراں بہا توجہات کی بدولت عمل میں آیا۔

جناب مولوی سید ذوالفقار علی صاحب حقانی ابتداء سے کانفرنس کے پرجوش اور سرگرم معاون رہے ہیں۔ ان کی اخلاص مندی، محنت، اور سرگرمی کی بدولت انعقاد اجلاس کی تمام دشواریاں خود بخود حل ہوتی چلی گئیں۔

جناب نواب غوث یار جنگ بہادر کا تبادلہ گلبرگہ سے ہو جانے کے بعد مولوی محمد امیر علیخاں صاحب

ایچ۔سی۔ایس صوبہ دار کی بھی توجہ کانفرنس کی جانب منعطف ہوئی۔ اور جناب موصوف کی صدارت میں مجلس استقبالیہ نے انہماک اور جوش کے ساتھ ضروری انتظامات خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل کئے۔

اجلاس کی صدارت عالیجناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر بالقابہ امیر اعظم پائیگاہ نے قبول فرمائی سکریٹری مولوی غلام احمد خاں صاحب کی معیت میں عالیجناب ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوا اور صدارت کی استدعا کی اور فوراً اوس کو شرف قبولیت ملا اور اس سے کانفرنس کے اجلاس کو بڑی رونق اور کامیابی حاصل ہوئی ۱۹ دے کو سہ پہر میں جناب نواب صاحب ممدوح نیز دوسرے مہمان گلبرگہ پہونچے مجلس استقبالیہ نے صدر کانفرنس کا شایان شان استقبال کیا اور خوش آمدید کے لوازم ادا کئے۔

۱۹ دی کو شام میں قیام گاہ مہمانان پر مجلس انتظامی کا اجلاس منعقد ہوا اور پیش شدنی تحریکات اور نظام العمل کی ترتیب عمل میں لائی گئی۔

اجلاسِ اوّل

گلبرگہ میں ٹاؤن ہال کی تعمیر اور اس میں موزوں فرنیچر کے فراہمی کی وجہ سے کانفرنسوں اور عام جلسوں کے انعقاد میں بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ کانفرنس کے اجلاس بھی ٹاؤن ہال میں منعقد ہوئے۔ ٹاؤن ہال بہت سلیقہ کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا۔ اور ہر جلسہ میں اس ہال کی پوری گنجایش حاضرین سے معمور ہو جاتی تھی۔ ۹ اردے ۱۳۵۲ف مطابق ۴ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ موافق ۲۱ نومبر ۱۹۴۲ء کو بروز دوشنبہ دس بجے کے بعد پہلا جلسہ آغاز ہوا۔ اولاً کمسن طلبہ نے مناجات پڑھی۔ بعد ازاں جناب مولوی محمد امیر علی خاں صاحب صدر مجلس استقبالیہ نے فی البدیہہ ایک موزوں اور برمحل تقریر فرمائی اور جناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر سے صدارت کانفرنس کی استدعا کی۔

جناب نواب صاحب ممدوح نعرہ ہائے مسرت کی گونج میں کرسی صدارت پر تشریف فرما ہوئے اور اپنا خطبۂ صدارت سنایا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

خطبۂ صدارت

صدر نشین صاحب مجلس استقبالیہ و حضرات!

ارباب کانفرنس نے جب مجھے اپنے اس ادارہ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی خواہش کی تو میں نے اس اعزاز کو کسی قدر تامل کے ساتھ قبول کیا۔ اس لئے کہ اپنے اسٹیٹ کے کاروبار کی مصروفیت کے لحاظ سے اس مملکت ابد آیت کے اہم تعلیمی مسائل پر غور کر کے مجموعی حیثیت سے ان کو آپ کے سامنے پیش کرنے کے لئے مجھے وقت نکالنے کی ضرورت تھی۔ چونکہ میرا یہ ایقان ہے کہ کوئی ملک اور کوئی قوم بغیر تعلیم کے ترقی نہیں کر سکتی۔ اس لئے جو کچھ وقت مجھے مل سکتا تھا اس میں میں اپنے خیالات کو جمع کر کے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

ف ۲۔ اس اجلاس کے دو خوشگوار خصوصیات ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ کانفرنس مملکتِ آصفیہ کے ایک قدیم تاریخی شہر میں منعقد ہو رہی ہے اور دوسری یہ کہ یہ شہر جس صوبہ کا مستقر ہے اوس میں میرے علاقہ کا بڑا حصّہ واقع ہے۔
مجھے اِس بات کی خوشی ہے کہ مجلس استقبالیہ کے صدر اس صوبہ کے اعلیٰ افسر اور حیدرآباد سیول سروس کے ایک نمایاں رکن ہیں۔ میرا اشارہ **مولوی محمد امیر علیخاں صاحب** صوبہ دار کی طرف ہے جنہوں نے اپنی قابلیت سے اس عمر میں اس خدمت جلیلہ پر ترقی پائی ہے۔ جس سلیقہ کے ساتھ اس کانفرنس کے انتظامات عمل میں لائے گئے ہیں اون کے لئے مقامی کمیٹی لایق قدر ہے جس کے معتمد یعنے روحِ رواں ہمارے سررشتۂ تعلیمات کے ایک تجربہ کار عہدہ دار مولوی ذوالفقار علی صاحب حقانی ہیں۔ میں اس موقع پر اِس کانفرنس کے اعزازی معتمد مولوی محمد مظہر صاحب کا بھی نام لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جن کی اَن تھک کوشش کا نتیجہ ہے کہ اس نامساعد زمانہ میں بھی سالانہ اجلاس کا انعقاد بالآخر کیا گیا فی زمانا کانفرنسوں اور کمیٹیوں کی ارزانی کے سبب سے عام طور پر ان کے نسبت نشستند و گفتند و برخاستند کی مصداق عائد کی جاتی ہے لیکن یہ باعث طمانیت ہے کہ اس انجمن نے اپنی عمر کے تیس ۳۰ سال میں مفید علمی کام انجام دیا ہے اور اس کا حقیقی مقصد بلا لحاظ مذہب و ملت و فرقہ بندی علم کی روشنی کو پھیلانا ہے۔ جو ملک کی حقیقی خدمت ہے اسکی شرکت میں سرکاری اور غیر سرکاری اور سررشتہ اور غیر سررشتہ کا امتیاز نہیں رہا ہے۔ اس کی بنیاد حکومت اور رعایا کے باہمی تعاون عمل پر قائم کی گئی ہے۔ یہ ایک حسنِ اتفاق اور فال نیک ہے کہ اِس کانفرنس کے اجلاس ایسے مبارک وقت میں مقرر کئے گئے ہیں جو عرس شریف کا زمانہ ہے۔ اِن حالات کے لحاظ سے مجھے قوی توقع ہے کہ یہ سال کانفرنس کے کاروبار کے لئے پورے طور پر کامیاب ثابت ہوگا۔

ف ۳۔ حضرات! ملک میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ ملک کی ہمہ جہتی ترقی میں ملک کے امرا اور دہ جاگیرداران بھی حصّہ لینا چاہیئے اور اون کی اولاد کو تعلیم حاصل کرکے زمانہ کی رفتار کے ساتھ گامزن رہنا چاہیئے۔
دورِ آصفی کے تاریخی صفحات اس کے شاہد ہیں کہ امرائے اسلاف اپنے وقت کے لحاظ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں شمار کئے جاتے تھے وہ اعلیٰ صفات کے حامل تھے۔ ملک کی حکومت میں اور مملکت کے ارتقاء میں ان کے مساعی کا بڑا حصّہ شامل رہا ہے۔ میں اپنے کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ اُن ہی بزرگوں کی دُعا سے مجھے یہ توفیق نصیب ہوئی کہ میں نے اپنی تعلیم کو ملک کی مایۂ ناز جامعہ عثمانیہ ہی میں تکمیل کرکے یہاں سے طیلسان حاصل کیا۔ دُعا فرمایئے کہ پائیگاہ کے انتظام کی جو امانت میرے تفویض کی گئی ہے۔ میں اوس کے فرائض کی

تحمیل میں اپنے آپ کو کامیاب ثابت کروں حضرت آقائے ولی نعمی کے ایک ادنیٰ فرمانبردار اور حقیقی وفادار کی حیثیت سے میرا یہ بھی فرض ہے کہ مالک کی خیر خواہی میں اور ملک کی فلاح وبہبودی میں مجھ سے جو کچھ بھی خدمت ہو سکتی ہے اوس کو بجا لاؤں اور اس کو اپنی سعادت سمجھوں میرے اجداد کرام اور جدِ محترم نواب آسمانجاہ مرحوم کے خدمات میرے نصب العین ہیں۔ میرے جدِ اعلیٰ نواب فخر الدین خاں مغفور شمس الامراء ثانی نے مدرسۂ فخریہ بلدۂ حیدر آباد میں پہلے پہل قایم کیا جس کو کچھ کم سو سال گزر چکے ہیں۔ یہ مدرسہ بلدہ میں ۱۳۳۸ف تک قایم تھا اب یہ شمس آباد پر منتقل کر دیا گیا ہے۔

اُن کی علم دوستی اور علم پروری نے ان کے نام کو اب تک قایم رکھا ہے یہ زبان اُردو کے مُحسن سمجھے جاتے ہیں۔ علاوہ اور علمی کارناموں کے سِتّہ شمسیہ کی چھ جلدیں ان کے زمانہ میں تالیف پائیں۔ جن کا دیباچہ خود ان کا لکھا ہوا ہے۔ یورپ کی زبانوں سے علوم جدید کا ترجمہ ان کتابوں میں بڑی محنت سے کیا گیا ہے ان رسالوں کی تاریخ "تالیف نواب شمس الامراء" سے برآمد ہوتی ہے۔ ان کے فرزند محمد رفیع الدین خاں شمس الامراء ثالث نے بھی علوم جدید کو اُردو میں منتقل کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ رسالہ علم ہندسہ کے علاوہ رفیع الحساب۔ رفیع البصر۔ رفیع الصنعت، رفیع التراکیب نے زیور طبع سے آراستگی حاصل کی۔ ان کے علاوہ کئی قلمی کتابیں بھی ان کی موجود ہیں۔ شمس الامراء ثانی کے دوسرے فرزند کی "تاریخ رشید الدین خانی" تو جس قدر معروف ہے وہ ظاہر ہے۔ میرے والدِ مرحوم نے بھی اپنی یادگاریں اپنے دیوان چھوڑے ہیں۔ اپنے بزرگوں کے کارناموں میں سے چند کو میں نے آپ کے سامنے صرف اس لئے پیش کیا ہے کہ آپ پر یہ ظاہر کیا جائے کہ خدمت علم خاندان پائیگاہ کے روایات میں ہے اور یہ نقوش قدم ہیں جو میرے سامنے ہیں۔ یہ ہمارے ملک کی خوش بختی ہے کہ ہمارے بادشاہ فرنجاہ اِس وسیع ریاست کے حکمران ہونے کے علاوہ سُلطانُ الشعراء اور سُلطانُ العُلوم بھی ہیں۔ اپنی زبان میں تعلیم دینے کے طریقہ کی ابتدا، اور عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام اور اوس کی کامیاب زندگی اس دورِ عثمانی کے درخشاں کارنامے ہیں۔

۴۔ ہماری مملکت کا یہ خاص امتیاز ہے کہ باوجود مختلف مذاہب کے ہمارا اتفاق واتحاد تمام ہندوستان کے لئے موجب رشک ہے ہمارے ملک میں مذہب وملت وفرقہ کے لحاظ سے ابتک منافع ومصالح علیحدہ نہیں رہے ہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسی اتفاق ویگانیت کی لہریں علاقہ جات، پائیگاہ ودیگر جاگیرات

میں بھی دوڑ رہی ہیں۔ اس ہموار زندگی میں اگر کہیں نشیب و فراز رونما ہوئے بھی ہوں تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ یا تو بیرونی اثرات کا نتیجہ رہے ہیں یا یہ کہ آپس کے معاشی حالات نے تنگ نظری اختیار کر کے کہیں کہیں فرقہ واری صورت پیدا کر لی۔ یہ ناہمواری عارضی تھی یہ ایک بادِ سموم تھی جو گزر گئی اور مقامی خوش گوار فضاء پھر قائم ہو گئی۔

ف ۵۔ اس ریاست کے چند احوال کا پس منظر آپ کے سامنے پیش کرنے کے بعد اب میں تعلیم کے متعلق چند ہندسوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مبارک دورِ عثمانی میں ہر ملکی صلاح و فلاح کے میدان میں ترقی ہوئی ہے نظم و نسق ملک میں (۳۲) سالہ پیش رفتاری واضح طور پر درخشاں ہے۔ ۱۳۲۰؁ف میں سررشتہ تعلیمات کے سالانہ مصارف علاقۂ شاہی دس لاکھ اور بشمول لوکلفنڈ بارہ لاکھ روپیہ تھے۔ مدارس ایک ہزار چھبیس اور چھپن ہزار پانسو کے قریب طلباء تھے۔ ۱۳۵۱؁ف کے موازنہ میں مصارف تعلیم علاقۂ شاہی ایک کروڑ بارہ لاکھ روپیہ اور لوکلفنڈ کے تقریباً چار لاکھ روپیہ رکھے گئے ہیں۔ ۱۳۴۹؁ف میں مدارس کی تعداد ساڑھے چھ ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ اور طلباء کی تعداد چار لاکھ بتیس ہزار سے اونچی رہی۔

ف ۶۔ اس کانفرنس کا قیام ۱۳۳۲؁ میں عمل میں آیا۔ اس ایک قرن میں اس کے اب تک سالانہ اجلاس مسلسل ہوتے تو آج یہ چودھواں اجلاس نہ ہوتا۔ ہمارے ملک میں تعلیمی مسائل کے متعلق جو جمود ہے اوس کی یہ بین مثال ہے۔ قیام کانفرنس کے پہلے کی تعلیمی حالت پر اگر ایک نظر پرواز ڈالی جائے تو واضح ہوگا کہ ایک تاریکی کا عالم اوس وقت تھا۔ کوئی مستقل پالیسی تعلیم کی نہ تھی۔ مدارس یونیورسٹی کے ڈگریوں کا سکہ ملک میں رائج تھا۔ نظام کالج ہی جدید اعلیٰ تعلیم کا واحد مرکز تھا۔ مدراس یونیورسٹی کے سخت معیار کے سبب سے طلباء کی ایک بڑی تعداد ملک سے باہر جایا کرتی تھی۔ فنی تعلیم کا کوئی انتظام ملک میں نہ تھا۔ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں مڈل اسکول کے کامیاب طلباء کی تعداد دو و ڈھائی سو سے زیادہ نہ تھی۔ گراجویٹ کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ اس بیس سال میں جامعہ عثمانیہ کے قیام نے ایک عظیم الشان تعلیمی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ قانون، طبابت اور انجنیرنگ کالج قائم ہو چکے ہیں۔ زرعی اور فوجی کالج کے قیام کے تجاویز زیر غور ہیں۔ اس نشاۃ جدید کا ایک مفید نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ علم ذوق اصحاب نے اپنے ذاتی مصارف سے مختلف نوعیت کے ادارے قایم کیئے۔ مثلاً حیدرآباد اکاڈمی، انجمن ترقیٔ اُردو، وغیرہ اس دور میں خاص طور پر ادارۂ ادبیاتِ اُردو لائق ذکر ہے جس نے زبانِ اُردو کی خدمت میں نمایاں حصہ لیا ہے اور جو ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری

زور پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کی مسلسل کوشش کا نتیجہ ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ ۱۳۲۲ف میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس نے سب سے پہلے اس قسم کے اداروں کی داغ بیل ڈالی اور ابناء وطن نے اس تحریک کا خیر مقدم کیا۔ اور اپنے اپنے طریق پر اپنے مساعی کو ملک کے ارتقاء کے لئے پیش کیا۔

ف ۷ ۔ کچھ عرصہ سے ایک ذہنیت جو برٹش انڈیا میں سرکاری اور غیر سرکاری امتیاز کی قایم ہے۔ افسوس کہ اوس کی بھی کچھ ریشہ دوانیاں ہمارے ملک کے بعض گوشوں میں پیدا ہونے کی آواز سننے میں آتی ہے۔ یہ ذہنیت ہمارے ملک کے لئے قطعاً غیر منطق ہے۔

میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے ملک میں راعی اور رعایا میں کوئی امتیاز نہیں ہے ہم سب بلا لحاظ مذہب و ملت و طریقۂ کسب معاش حضرت اقدس و اعلیٰ کی وفادار رعایا ہیں اس مرکزی قوت مقناطیسی نے ہم سب کو ایک جگہ جمع کر رکھا ہے۔ ملک کی اس خصوصیت کے لحاظ سے اسکی ضرورت ہے کہ ملک کے لئے جو مفید تحریکات ہوں اون میں ملازم سرکار، جاگیردار، منصبدار، معاش دار، وکلاء، تجار اور کاشتکار اپنی اپنی حیثیت اور بساط کے موافق حصہ لیں۔

ف ۸ ۔ یہ معلوم کرکے افسوس ہوتا ہے کہ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کی نسبت بعض حلقوں میں یہ خیال آرائی ہوتی ہے کہ یہ کانفرنس حکام سرکار کے اثر و نفوذ کے تابع ہے۔ اس لئے رعایا کی کانفرنس علیحدہ ہونی چاہیئے۔ اس کانفرنس کی گزشتہ تیس سال کی زندگی کا مطالعہ خود اس اعتراض کو رفع کرتا ہے جہاں تک مجھے علم ہوا ہے اس کانفرنس کی عین خواہش یہ ہے کہ غیر سرکاری افراد اس میں شریک ہوں اور وہ زیادہ حصہ لیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم اور صحیح تعلیم کا مسئلہ نہایت مشکل ہے خاصکر ہندوستان کے حالات نے تو اس کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے۔ برٹش انڈیا میں بھی تعلیم کو صحیح معیار پر لانے کی کوشش میں اب تک خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ تعلیم کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے ملک کے ایک اچھے سپوت بن سکیں۔

ف ۹ ۔ یہ صحیح ہے کہ گزشتہ دس سال میں خواندہ اشخاص میں تقریباً المضاعف اضافہ ہوا ہے یعنے چھ لاکھ سے گیارہ لاکھ ان کی تعداد ہوگئی ہے۔ علیٰ ہذا ستر ہزار سے ایک لاکھ ستر ہزار کی تعداد خواندہ عورتوں کی اس دس سال کی مدت میں ہوئی۔ اور یہ ہند سے ہمارے لئے طمانیت بخش ہیں۔ مروجہ طریقہ تعلیم کی بنیاد جو مغربی تعلیم پر رکھی گئی تھی اوس کے اثرات ابھی تک زایل نہیں ہوئے۔ مرحوم سر اکبر حیدری نے اسی کانفرنس

کے خطبۂ صدارت میں یہ بیان کیا تھا کہ ایک صدی کے تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مغربی طرز پر تعلیم ہمارے ملک کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ ملکی ضروریات کے تابع طریقۂ تعلیم ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ طریقۂ تعلیم کے لحاظ سے تو ملکی ضروریات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے بڑے بڑے ماہران تعلیم جن کے منجملہ سر اسوتوش مکرجی کا نام نمایاں ہے اس رائے پر متحکم تھے کہ غیر زبان میں ابتدائی تعلیم کا حاصل کرنا بالکل غلط طریقہ ہے۔ اس کا سہرا ہمارے آقائے ولی نعمت کے سر ہے کہ "عثمانیہ یونیورسٹی" قائم کی جس میں ذریعۂ تعلیم مقامی زبان رکھی گئی سر اکبر حیدری کی ہمت و کوشش سے اس خصوص میں ہندوستان میں اقدام عمل سب سے پہلے حیدر آباد (دکن) کو حاصل ہوا ہے۔ لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ صرف یونیورسٹی کی تعلیم اور یونیورسٹی کے ڈگریاں آرٹ و قانون کی حد تک ملک کے ضروریات کو پورا نہیں کر سکتیں۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہ اس قسم کی تعلیم ملک کے لئے مضر اثرات پیدا کرتی ہے۔ تعلیم یافتہ بیکار طبقہ ملک کے لئے خطرناک عنصر ہے۔ ضرورت ہے کہ یونیورسٹی کے اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ خاص توجہ ابتدائی و ثانوی تعلیم کی طرف کی جائے اور خاصتہً صنعتی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا جانا چاہیے کہ ملک کی بیکاری کو رفع کرنے کا یہی ایک واحد علاج ہے۔

میکینزی کمیشن کی رپورٹ پر سرکار عالی سے یہ تصفیہ ہو چکا ہے کہ ابتدائی و ثانوی تعلیم کے سلسلے اون طلباء کے لئے رہنا چاہیئے جن کا مقصود یونیورسٹی کی تعلیم نہیں ہے بلکہ کسب معاش کے لئے وہ کسی پیشہ کو اختیار کرنا چاہتے ہوں۔ اس پالیسی کا عملی نفاذ ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے جیسے کہ کہنے یا لکھنے سے ظاہر ہوتا ہے ہندوستان کے ماہران تعلیم نے وارد ھا اسکیم مرتب کی۔ لیکن اپنے پیچیدگیوں کے سبب سے یہ اسکیم بھی عملاً رائج نہ ہو سکی۔ ہمارے ملک میں بھی شہری، قصباتی اور دیہی زندگی کا طرز جداگانہ ہے ان کی ضرورتیں اور حالات مختلف ہیں ان کے تعلیم کے نصاب بھی ظاہر ہے کہ ان کے ضروریات کو پورا کرنے والے ہونے چاہئیں۔ مجھے معتبر ذرائع سے اس کا علم ہوا ہے کہ دیہات میں معمولی نصاب کی تعلیم جن لڑکوں نے حاصل کی تھی اون میں سے بعض چند سال کے بعد اپنا سیکھا ہوا سب بھول گئے ان کی محنت بیکار گئی اور پبلک فنڈ ضائع ہوا۔ اپنے علم کو تازہ رکھنے کے لئے دیہات میں کوئی انتظام نہیں ہے ایک دیہاتی کاشتکار کی روزمرہ زندگی جو سال میں دو حصہ بیکاری اور ایک حصہ زرعی کاروبار پر مشتمل ہے اوس میں مدارس کے معمولی نصاب کو استعمال کرنے کا کوئی موقع حاصل نہیں ہوتا ہے۔ دیہی تعلیم

کے نصاب میں زراعت اور بافندگی اور چند دیہی صنائع کے نسبت توجہ کیجانی چاہیئے علےٰ ہذا قصباتی تعلیم کا نصاب بھی ایسا ہونا چاہیئے جو ایک قصبہ کے ترقی یافتہ حالات کے لحاظ سے تجارت و صنعت میں حصہ لیا جاسکے۔ علیٰ ہذا لڑکیوں کی تعلیم کا نصاب بھی اون کے دیہی قصباتی اور شہری ضروریات کے لحاظ سے ہونا چاہیئے۔ ہندوستانی لڑکیوں کو سینیر اور جونیر کیمبرج کی تعلیم دلانا مضحکہ خیز ہے دیہاتی لڑکیوں کے نصاب میں اگر سیون داخل ہو تو اون کو بلوز کاٹنا اور سینا یا کروشنے کا کام سکھلانا وقت ضائع کرنا ہے۔ تعلیم کا نصاب مقامی ماحول اور ضروریات کے لحاظ سے ہونا چاہیئے۔ عام اخلاقیات مثلاً ہمدردیٔ نوع انسان بھائی چارگی نیک کردار ملکی ثقافت جو ہر مذہب کی حقیقی روح ہیں تعلیم کا حقیقی نتیجہ ہونا چاہیئے۔

ف ۱۰ حضرات! قبل اس کے کہ میں آپ کے توجہات کو تعلیم صنعت و حرفت کے طرف مائل کراؤں یونیورسٹی کی تعلیم کے نسبت کچھ اپنے خیالات آزادی کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہوں کسی یونیورسٹی کا نصاب یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مکالے صاحب نے ہندوستان کی تعلیم کی جو غایت تبلائی تھی آج بیسویں صدی میں بھی اوسے پورا کیا جائے۔

یونیورسٹی کی تعلیم کا مقصد نہایت ارفع و اعلیٰ ہے پوسٹ گراجویٹ سسٹم جب تک نافذ نہو تحقیقات کا کام تکمیل نہیں پاسکتا۔ اور یونیورسٹی کی تعلیم کمل نہیں سمجھی جاسکتی۔ جو افراد اس طور پر اپنی زندگی کو علم کی تحقیق میں وقف کر دینا چاہتے ہیں اون کو فکر معشیت سے آزاد کیا جانا چاہیئے تاکہ اون کے انہماک میں کمی نہ ہو۔ یہ سہولت صرف چند اسکالرشپ کے اجرا سے آسانی سے ہوسکتی ہے۔

ف ۱۱ اب میں تعلیم کے اہم ترشعبۂ صنعت و حرفت کے متعلق آپ کے سامنے اپنے خیالات کو پیش کرونگا صنعت کے معاملہ میں ہندوستان بہت بد نصیب واقع ہوا ہے۔ ابھی ابھی شہنشاہ اکبر کی چہار صد سالہ یادگار منائی گئی ہے۔ اوس زمانہ کی تصویر اگر آپ اپنے سامنے رکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کی مرفہ الحالی کس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ ہندوستان کا بنایا ہوا مال تمام دنیا میں فروخت ہوتا تھا شہنشاہ اکبر کی وفات کے چند سال بعد ایسٹ انڈیا کمپنی انگلستان میں قائم ہوئی اور یہ رابطۂ تجارت کچھ ایسا قائم ہوا کہ ہندوستان کی صنعت بتدریج مفقود ہوگئی اور ہندوستان اپنے ضروریات کے لئے دوسرے ممالک کا دست نگر ہوگیا۔ چنانچہ اب یہ واقعات اس جنگ عظیم کے زمانہ میں صاف طور پر رونما ہو رہے

ہیں اور اب سرکار عظمت مدار اور ریاستوں کی حکومت اس پر غور کر رہی ہے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کے صنائع کو کس طریقہ اور کس پیمانہ پر قائم کیا جانا چاہیئے۔ بغیر کسی صنعت کے ملک میں رائج ہونے کے صنعتی مدارس کو قائم کرنا گھوڑے کے آگے گاڑی رکھنے کی مثال ہے ہمارے پاس ملک کے ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کارخانے نہیں ہیں صنعت کو فروغ دینے کے لئے برقابی قوت مہیا نہیں ہے۔ مشین بنانے کی مشینوں کو درآمد کرنے کی سہولت حاصل نہیں ہے۔ پھر بھی گھریلو صنعت ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہم ملک کی کھوئی ہوئی مرافہ الحالی کو گو حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن پھر بھی اپنے موجودہ افلاس اور غربت کو بڑی حد تک دور کر سکتے ہیں

۱۲۔ مملکت آصفیہ میں صنعتی مدارس کے قیام کی تاریخ دلچسپ ہے اور یہ محض حسن اتفاق ہے کہ تقریباً (۷۵) سال پہلے میرے دادا آسماںجاہ مرحوم کی مدار المہامی میں ملک کی صنعتی و حرفتی تعلیم کے مسئلہ کو ہاتھ میں لیا گیا اور ملک میں متعدد مدارس کے قیام کے اصول کو طے کیا گیا پہلا مدرسہ اس پالیسی کے تحت ورنگل میں قائم ہوا۔ جہاں ریلوے لائن کی اوس زمانہ میں افتتاح ہوئی تھی اور یہ توقع کی جاتی تھی کہ ورنگل ایک بڑا شہر اور کاروبار کا مرکز ہو جائیگا۔

میرے دادا کی وزارت کے اختتام پر مدارس صنعت کی اسکیم بھی فراموش ہو گئی ورنگل کا مدرسہ تو قائم رہا۔ لیکن چند سال کے بعد یہ مدرسہ حیدرآباد میں منتقل ہو گیا۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کی مدار المہامی میں یہ تصفیہ ہوا کہ ہر ضلع میں ایک مدرسہ صنعت و حرفت قائم کیا جائے۔ لیکن صرف عملاً اورنگ آباد، نظام آباد اور بیدر میں معمولی مدارس قائم ہوئے۔ حیدرآباد کا مدرسہ اورنگ آباد میں ضم کر دیا گیا۔ گزشتہ تین سال میں اس شعبہ کے لئے متعدد اسکیم مرتب ہوئے لیکن کسی نے عملی صورت حاصل نہیں کی۔ البتہ "دارالضرب" کے ساتھ "عثمانیہ ٹکنیکل اسکول" قائم کیا گیا۔ غیر سرکاری ادارے بھی چند وجود میں آئے لیکن ان کا مدوجزر ان کے قائم کرنے والوں کی حالت کے تابع رہا۔ ٹکنیزی کمیشن کی رپورٹ کے بعد سررشتہ تعلیمات عامہ سے ایک علحدہ سررشتہ اور معنوی تعلیم صنعتی قائم کی گئی ہے۔ اس سررشتہ نے ایک وسیع پروگرام تیار کیا ہے کہ حیدرآباد میں ٹکنیکل، الکٹریکل اور میکانیکل کالج اور اسکول آف آرٹس قائم ہوں اضلاع میں بھی وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے اسی نوعیت کے مدارس قائم کئے جائیں جن میں عورتوں کی تعلیم کا بھی انتظام ہو۔ تلنگانہ و مرہٹواڑہ میں زرعی مدرسے اپنے حالات کے لحاظ سے قائم کئے جائیں لیکن اس سررشتہ کے عملی تجاویز ابتک ظہور میں نہیں آئے اس کا بڑا سبب بظاہر یہ عالمگیر جنگ ہے جس نے تمام تعمیری کاموں کی حرکت کو مفلوج کر دیا ہے

موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ صرف چند اضلاع میں معمولی پیمانہ پر مدرسے قائم ہیں۔ حیدرآباد میں بھی چند خانگی ادارے ہیں۔ وکٹوریہ میموریل آرفنیج میں بھی کچھ انتظام تعلیم حرفت کا ہے۔ ایک اسکول آف آرٹس بھی قائم ہوا ہے جس کے نتائج بھی ہمارے سامنے نہیں آئے ہیں۔ بہرحال ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی آبادی میں صنعتی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء ڈیڑھ ہزار ہی کے اندر ہیں۔ یہ تعداد یقیناً کم ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ڈیڑھ ہزار طلباء بھی کام سیکھنے کے بعد اپنی روزی کس طریقہ سے حاصل کر سکیں گے۔ اور ملک کے معاشی نظام کو کس طور سے فائدہ پہنچا سکیں گے۔ ایک مثال نمونہ کے طور پر میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اورنگ آباد کے بعض لوگوں نے نمدہ سازی کی تعلیم حاصل کی۔ اور یہ جب اپنے گاؤں کو گئے تو وہاں ان لوگوں نے نمدہ تیار کیا اور اچھا تیار کیا۔ لیکن اس کے خریدار نہیں ملے۔ بالآخر پھر اس کام کو چھوڑ کر ان لوگوں نے مزدوری کا پیشہ اختیار کیا اور چند سال ہی میں جس فن کو انہوں نے سیکھا تھا اوسے بھلا دیا۔

ف ۱۳ صنعتی تعلیم کے سلسلہ میں مجھے ناگزیر ایک وسیع میدان میں قدم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ مملکت آصفیہ میں صنعتی ترقی کی کتنی گنجایش ہے اور اس کے کیا امکانات ہیں اس بارہ میں خاطر خواہ انڈسٹریل سروے اور معاون کے پراسپکٹنگ کا کام نہیں ہوا ہے۔ چوبیس سال پہلے ایک جائنٹ ڈائرکٹر صنعت و حرفت مسٹر ویکفیلڈ کے تحت قائم ہوا تو انہوں نے ایک بسیط رپورٹ اس بارہ میں مرتب کی۔ اس طویل مدت میں اس سررشتہ نے کیا ترقی کی کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ روئی اور حبوب روغن دار بڑی مقدار میں یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مغربی طب کے نباتات کی کاشت وافر طریقہ پر ہو سکتی ہے۔ رنگ سازی و عطریات کے لئے تمام اشیاء موجود ہیں چمڑا کافی مقدار میں ہے۔ یہی حالت معاون کی ہے ضلع رائچور میں سالہا سال سے ہیرا دستیاب ہو رہا ہے لیکن کوئی خاص تجسس اس بارہ میں نہیں کیا گیا۔ مملکت آصفیہ میں متعدد مقام ایسے ہیں جہاں پانی سے قوت برقی مہیا ہو سکتی ہے۔ یہ امکانات ایسے ہیں جن سے حیدرآباد کا مستقبل نہایت شاندار ہو سکتا ہے۔ بڑے پیمانہ پر ایک انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ یہ کاروبار بڑی حد تک اس کے احاطۂ عمل میں آتے ہیں۔ ایک صنعتی دارالتجربہ بھی عرصہ سے قائم ہے اس ادارہ سے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔

ف ۱۴ ۔ ایک بڑی مشکل اس وقت یہ ہے کہ جنگِ عظیم کے سبب سے جیسا کہ میں نے ابھی اوپر بیان کیا ہے۔ تمام تعمیری کاروبار معطل ہیں۔ مشنری کا دستیاب ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ مشنری سے اگر صحیح طور پر کام لیا جاتا ہے تو اس مسئلہ پر کافی توجہ مائل کرنی چاہیئے کہ ہم خود مشین بنانے کے مشین تیار کرنے چاہئیں۔ ورنہ ہماری ہماری

مشین غیر ممالک سے خریدنے میں اپنا روپیہ باہر بھیجنا افلاس کا خیر مقدم کرنا ہے یہی صورت مشنری کے پرزوں کی ہے، شکست وریخت کے لحاظ سے ان کو بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بڑی رقم اس مد میں بھی غیر ممالک میں جاتی ہے اگر مشین سازی کے مشین حاصل ہوں اور ارزاں قیمت میں قوت برقی مہیا ہوجائے تو گھریلو صنعت کو بڑی ترقی ہوسکتی ہے، ایک غریب ملک کو صنعتی ملک میں تبدیل کرنے کے وقت ایک اہم واقعہ کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ دیہی آبادی کو جہاں تک ہوسکے قصبوں اور شہروں میں منتقل ہونے سے روکا جائے۔ دیہات کے لوگوں کا اپنے اپنے وطن مالوفہ کو چھوڑ کر بڑے شہر میں جاکر مزدور رہنا اور شہر کے مسموم ماحول میں اپنی زندگی بسر کرنا تہذیب کے لئے رجعت قہقری ہے اور حتی الامکان یہ صورت پیدا نہ ہونے دینا چاہیئے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ محنت بچانے کے دستی مشین کافی مقدار میں خود اپنے کارخانوں میں تیار کرائے جاتے چاہئیں اور کثرت سے اس کا پھیلاؤ دیہات میں کیا جانا چاہیئے۔ اس صورت میں متعدد صنعتی مدارس جو قائم کئے جائیں گے ان کے طلباء ان دستی مشینوں سے، اور ارزاں قوت برقی کی سہولت سے گھریلو صنعت کو کافی طور سے فروغ دے سکیں گے۔ ہمارا ملک غیر ممالک کا دست نگر نہ رہیگا اور بیکاری کے بھوت کو بھاگنا ہی پڑے گا۔

ف ۱۵ ۔ اورنگ آباد میں ریشم اور زردوزی کی دستی صنعت کسی زمانہ میں بڑے اعلیٰ پیمانہ پر تھی لیکن مشنری کے جنگ کے مقابل اس کو پسپا ہونا پڑا احمد آباد و سورت کے مشین کے تار نے اس کو مات دیدی گزشتہ چند سال میں دستی صنعت کو دوبارہ زندہ کرنے کی بڑی کوشش کی گئی لیکن یہ ناممکن ثابت ہوا بڑی دشواری ملکی مصنوعات کے متعلق ان کے فروخت کی ہے۔ نہ ہمارے پاس نہ ہندوستان میں ابتدائی کارخانوں کے نشوونما کے لئے محصولات کی کوئی دیوار نہیں ہے اس لئے ان صنعتوں کو مشین کے بنے ہوئے مال کے مقابلہ میں پاؤں جماکر کھڑا ہونا بہت مشکل ہے ان حالات کے تحت بس یہی ایک صورت ہوسکتی ہے کہ جہاں جہاں اس قسم کے گھریلو صنعت قائم کئے جائیں ان مواضع کے گروپ بناکر حکومت کو چاہیئے کہ وہ مال فوراً خرید لے اور اس کے فروخت کا انتظام علیحدہ طور پر کیا جائے۔

اس ضمن میں ایک اور تاریخی واقعہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں میرے واداسر آسمانجاہ کی وزارت کے زمانہ میں جب صوبہ دار وقت کے پاس سے یہ رپورٹ وصول ہوئی کہ اورنگ آباد کے مصنوعات ملکی کی کساد بازاری کے سبب سے کاریگروں کی حالت بالکل سقیم ہوگئی ہے تو دیوانی کے توشک خانہ میں کثیر مقدار میں ... کے بیا

کردہ، ہمرو اور کمخواب خریدے گئے۔ میں اس حقیقت کو آپ کے سامنے پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب تک اپنا وطن میں مصنوعات ملکی کے استعمال کرنے کا احساس پیدا نہ ہوا اور اوس میں تھوڑے ایثار کی یعنی دیسی مال کی تلاش کی زحمت اور نیز کسی قدر زیادہ دام دینے کی جو ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے آمادگی نہ ہو تو کوئی ملکی صنعت فروغ نہیں پا سکتی۔

ف ۱۶ میں ان تجاویز کی من وعن تائید نہیں کرسکتا جو خوش کن الفاظ میں پلیٹ فارم سے بلند کی جاتی ہیں۔ قصبات اور بڑے دیہات میں زرعی مدارس اور شہروں میں زرعی کالج کا قیام مستحسن تو ضرور ہے لیکن ان اداروں کے محض قیام سے کوئی مفید نتائج برآمد نہیں ہوسکتے جب تک کہ زراعت کے نسبت کوئی لائحہ عمل قائم نہ ہو۔ حال میں جو ملکی غلہ کانفرنس بہ اہتمام سررشتۂ مالگزاری قائم کی گئی تھی اوس کے بعض مباحث کے مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مثال کے طور پر میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہ ہمارے مملکت میں تقریباً چوبیس ہزار ٹن کھلی تیار ہوتی ہے جس میں سے بہ مشکل ایک نہائی سررشتۂ زراعت کی طرف سے صرف ہوتی ہے اور بقیہ باہر جاتی ہے، حالانکہ اس زمانہ میں جب کہ کیمیائی کھاد دستیاب نہیں ہو رہا ہے زراعت کے لئے کھلی کا کھاد بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کاشتکاروں کی مالی حالت عامۃً ہندوستان میں اور خاصتہً ملک دکن میں نہایت درجہ قابل افسوس ہے۔ یہ قرضہ میں مبتلا ہیں اور اپنے اپنے ساہوکاروں کے دست نگر ہیں۔

بھر وجہ صاحب نے اس بارہ میں جو تحقیق کی ہے اوس کے لحاظ سے ایک موٹا اندازہ یہ ہے کہ مملکت دکن کے کاشتکاروں کے قرضہ کی مقدار تقریباً ستر کروڑ ہے۔ بعض ہمدرد گوشوں سے یہ آواز نکلتی ہے کہ کوشش کرکے رعایا کو اس قرضہ کے بار سے سبکدوش کیا جائے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نصف رقم اگر مہیا کی جائے تو یہ بوجھ ہلکا ہوسکتا ہے لیکن سوال یہ ہے اگر یہ قرضہ کسی طرح تصفیہ سے ادا کردیا جائے یا بفرض محال مٹا دیا جائے تو بھی کاشتکار کی زندگی کیا ایسی ہوسکتی ہے کہ وہ آیندہ قرضہ حاصل نہ کرے۔ میری اس خصوص میں یہ مستحکم رائے ہے کہ رعایا کو قرضہ کے بوجھ سے سبکدوش کرنا ایک مستحسن تجویز ہے اور اس سے کون اختلاف کرسکتا ہے لیکن یہ دراصل مرض کا علاج نہیں ہے۔ بلکہ اون علامات کا علاج ہے جو مرض میں رونما ہوتے ہیں کاشتکار کی حقیقی بیماری تو اوس کی آمدنی سے زیادہ خرچ کی ہے اور جب تک اوس کی بیکاری کو رفع کرکے اوس کی آمدنی میں اضافہ نہ کیا جائے اوسے قرضہ سے روکنا بہت مشکل ہے۔

ف ۱۷ ۔ دیہات میں طبی امداد کا کوئی انتظام نہیں ہے معمولی امراض کے روک تھام کے تدابیر اگر دیہی نصاب تعلیم میں

داخل ہوں تو ممکن ہے کہ اوس سے دیہاتی فائدہ اٹھا سکیں کم سے کم اون کے معلومات میں تو اضافہ ہو سکے گا۔

ف ۱۸۔ ملک کے معاشی حالات کے لئے اوس کی مردم شماری کے اعداد پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے مملکت آصفیہ کی آبادی میں گزشتہ دس سال میں بارہ فی صد اضافہ ہوا ہے۔ گزشتہ پچاس سال میں آبادی چالیس فی صد زیادہ ہوئی ہے آبادی کے اس اضافہ کے دوش بدوش زرعی پیداوار میں اور مصنوعات ملکی میں قطعاً ترقی نہیں ہوئی ہے۔ قانون قدرت کے لحاظ سے جہاں افلاس زیادہ ہو آبادی میں اضافہ ہونا لازمی ہے۔

ف ۱۹۔ سب سے آخر میں میں جاگیرات کے مسئلہ تعلیم کے نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں اور میں اوس کا یقین دلاتا ہوں کہ میں جو کچھ کہونگا اوس میں میری وہ حیثیت جو پائیگاہ کے والی یا رعایاء پائیگاہ کے ایک خدمت کرنے والے کی ہے۔ شامل نہیں ہے یہ ایک عام خیال ہے کہ جاگیرات میں عام تعلیمی حالت پستی میں ہے۔ میں اس کی تردید نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ ضرور کہونگا کہ اس خیال کو عام کلیہ کے طور پر استعمال نہ کیا جانا چاہیئے۔ اس قیاس کو قائم کرنے کے پہلے جاگیرات کی حالت پر غور کیا جانا چاہیئے۔ جاگیرات بہت سے ذرائع آمدنی مثلاً کروڑگیری اور معدنیات سے تمتع نہیں کر سکتے۔ علاقۂ دیوانی کے وسیع ذرائع ہیں۔ مملکت آصفیہ کا تقریباً ایک ثلث حصہ جاگیرات پر مشتمل ہے لیکن نقشہ اگر دیکھا جائے تو اون کے وقوع کا انتشار ظاہر ہوگا جو بڑے بڑے علاقے مثلاً پائیگاہ اور امرائے عظام کے ہیں اون کے تعلقات اور مواضع ایک دوسرے سے فاصلہ پر واقع ہیں۔ اُمرائے عظام کی طرف سے اس بارہ میں برابر کوشش کی جارہی ہے کہ بڑے دیہات اور قصبات میں مدارس قائم کئے جائیں۔ میں اپنے علاقہ ہی کے چند ہندسے آپ کو سُنانا چاہتا ہوں۔ میری پائیگاہ کے جو تین بڑے قصبے ہیں وہاں وسطانیہ اور نسوان مدارس قائم ہو چکے ہیں۔ گزشتہ تین سال میں (۴۶) دیہی مدارس کے مقابل المضاعف کا اضافہ کیا گیا یعنے اس وقت اسّی مدارس موجود ہیں! اور یہ پروگرام بنا لیا گیا ہے کہ جو بڑے مواضع ہیں اون سب میں مدارس قائم کئے جائیں صنعتی اور زرعی تعلیم کا انتظام سررشتۂ تعلیمات کے مشورہ سے کیا جائے اضلاع کے مستقر اور ظہیر آباد میں دار الاقامہ قائم کیا جائے۔ جنگ کے سبب سے کثیر رقوم گرانی الونس کے لئے پائیگاہ سے بھی بالکل یہ مماثلت علاقۂ دیوانی منظور کئے گئے۔ گزشتہ سال آپ ہی کے صوبہ کے موقوعہ تعلقۂ افضل پور میں کثیر رقوم سماعت ہنگام کے سبب سے برآئندہ کرنے پڑے۔ باوجود ان تمام مشکلات کے میں نے اس سال اپنے موازنہ میں بیس ہزار کی رقم خالص قومی تعمیری کاموں کے لئے رکھی ہے میری تجویز یہ بھی ہے کہ جہاں جہاں ضرورت ہو وہاں کے مدارس میں کچھ نہ کچھ

دستکاری کا کام بھی سکھلانے کا انتظام کیا جائے۔ میرے زیر غور یہ بھی تجویز ہے کہ پائیگاہ کے غیر مستطیع طلباء کیلئے وظائف تعلیمی کی کافی سہولت مہیا کی جائے۔ توقع کیجاتی ہے کہ موجودہ حالات جب معتدل ہوں تو ان تجاویز کو فوراً عملی جامہ پہنایا جائے۔

ف ۲۰ اس جنگ عظیم نے موجودہ زندگی میں جو تہلکہ ڈالا ہے اوس کے باوجود ہماری ریاست ابدآیت کے وہ مساعی جو ترقی ملک سے متعلق ہیں نہایت اُمید افزا ہیں۔

یہ توقعات کیئے جا سکتے ہیں کہ مستقبل قریب میں جب حالات مساعد ہوں تو ایک مکمل لائحہ عمل چند سال کا اس مملکت کے لئے موجودہ حکومت کی طرف سے تیار کیا جائے گا جسمیں صنعت کا فروغ، زراعت کی ترقی، تعلیم کی اشاعت اور اُن وسائل پر جن سے ملک کی حالت میں مجموعی طور پر ارتقاء ہو سکتا ہے غور کیا جائیگا اور اس پروگرام کو چند سال پر مشتمل کر کے اس کے مطابق کام شروع کیا جائیگا اس میں امراء اور جاگیردار بھی پوری طور پر اشتراک و تعاون عمل کیلئے تیار رہیں گے۔ اس لئے کہ ہم امراء اور جاگیرداروں کے لئے سرکار عالی کے علاقۂ دیوانی کا عمل ہمیشہ مشعل راہ ہدایت رہا ہے اور جو تجاویز علاقۂ دیوانی میں رائج ہوں اون سے فائدہ اُٹھانے کی ہم پوری کوشش کرتے ہیں۔

میری خواہش تو یہ ہے کہ میں اپنے علاقہ کی ہمہ جہتی ترقی میں ایسی کوشش کروں کہ یہ ایک ماڈل اسٹیٹ سمجھا جاسکے۔

ف ۲۱ ۔ اس پرآشوب زمانہ میں جب بنی نوع انسان ایک دوسرے کی ہلاکت کے درپے ہیں۔ نازیت کی وحشت اور بربریت یورپ سے تمدن و تہذیب کو جلا وطن کرنا چاہتی ہے۔ تمام ہندوستان میں امن سوز واقعات سے روزانہ اخبارات بھرے رہتے ہیں۔ مملکت آصفیہ کے باشندوں کو میں دلی مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ ان حالات کے تحت بھی ایک پُرامن زندگی بسر کر رہے ہیں اور اپنے **بادشاہ ذیجاہ** کی وفاداری میں ایک دوسرے کے دوش بدوش ہیں۔ اسی ایک جہتی کا ایک نتیجہ ہے کہ ہم آج اس تاریخی شہر میں تعلیم کے اہم مسائل پر غور کرنے کے لئے جمع ہیں اس لئے کہ کوئی قومی تعمیری کام بغیر آپس کے اتحاد اور ایک جہتی کے قائم نہیں ہو سکتا۔

آپ کا جو کچھ وقت میں نے لیا ہے اوس کی معافی چاہتا ہوں اور مکرر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے اس خطبہ میں زیادہ تر ملکی صنعت اور زرعی تعلیم پر زور دیا ہے تعلیمات کے دائرہ عمل میں جو دوسرے شعبہ جات مثلاً تعلیم یا لغات مدارس شبینہ اور جسمانی ورزش وغیرہ داخل ہیں۔ میں نے عمداً بخیال طوالت اُن پر بحث نہیں کی۔

اب میں اپنے اس خطبہ کو حضرت بندگانعالی اور شہزادگان بلند اقبال اور شہزادیان فرخ فال کے

درازئ عمر و اقبال کی دُعا پر ختم کرتا ہوں۔ آمین۔

خطبۂ صدارت کے سُنانے کے بعد جناب صدر نشین صاحب نے اعلیحضرت جلالت مآب بندگانعالی سے اظہار عقیدت کی مندرجۂ ذیل تحریک پیش فرمائی۔

"یہ کانفرنس اعلیحضرت بندگانعالی سُلطان العُلوم مدظلہم العالی کی پیشگاہ میں اپنی مستقل عقیدت مندی اور کامل وفاشعاری کا مودبانہ اظہار کرتی ہے اور ملک کی صلاح و فلاح کے لئے بالعموم اور تعلیمی ترقی کے لئے بالخصوص جو توجۂ ہمایونی مبذول ہے اس کے لئے نہایت ادب سے سپاس گزار ہے۔"

حضار جلسہ نے اس تحریک کو کھڑے ہوکر نہایت ادب و احترام کے ساتھ منظور کیا۔

اِس تحریک عقیدت کی منظوری کے بعد معتمد نے سالانہ رپورٹ سنائی جو اس روئداد کے آخر میں شامل ہے۔

سالانہ رپورٹ کے سُنائے جانیکے بعد جناب مولوی غلام احمد خاں صاحب ممبر مجلس پائیگاہ نواب ظہیر یار جنگ بہادر نے حسب ذیل تحریکات تعزیت پیش کئے۔

تحریکات تعزیت

(۱)۔ یہ کانفرنس میجر آکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ کے انتقال پر اپنے گہرے ملال کا اظہار کرتی ہے، مرحوم نے ملک کی ہمہ جہتی ترقی میں عموماً اور کانفرنس کو اس کی ابتدا سے مدد دینے میں خصوصاً حصہ لیا وہ عرصۂ دراز تک ناقابل فراموش ہوگا۔ کانفرنس مرحوم کے اہل خاندان کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔

(۲)۔ یہ کانفرنس مولوی سید احمد محی الدین مرحوم مدیر رہبر دکن کے انتقال پر اپنے رنج و ملال کا اظہار کرتی ہے۔ مرحوم نے اپنے اخبار کے ذریعہ ملک کی رائے عامہ کو بیدار کرنے میں نمایاں حصہ لیا اور کانفرنس کی خدمت کی۔ مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ اس کانفرنس کو پوری ہمدردی ہے۔

(۳)۔ یہ کانفرنس آنجہانی مسٹر ڈ لنکر کے انتقال پر اپنے تاسف کا اظہار کرتی ہے۔ آنجہانی کانفرنس کے ابتدائی خدمت گزاروں میں شامل تھے اور اپنی ہمدردی اور اخلاص مندی کی وجہ ہر دلعزیز تھے۔ یہ کانفرنس آنجہانی کے متعلقین سے اپنی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔

حاضرین جلسہ نے رنج و ملال کے ساتھ یہ تحریکات منظور کئے اور اس نوبت پر پہلا جلسہ برخاست ہوا۔

۱۹ اردی بہشت ۱۳۵۲ف کو سہ پہر میں جناب مولوی اکبر عالم صاحب بی اے ال ال بی، وکیل ہائیکورٹ نے تحریک مندرجۂ ذیل پیش کی۔

"یہ کانفرنس حکومت سرکار عالی کی توجہ اس امر پر مبذول کراتی ہے کہ صنعتی مدارس نسوان کا قیام ہر مستقر صوبہ پر عاجلانہ طور سے عمل میں لانا ضروری ہے۔"

جناب مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے تائید کی۔

جناب مولوی میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹرایٹ لا نے اس تحریک سے اس بنا پر اختلاف کیا کہ جب تک کافی تعداد میں کارخانے قائم نہ ہو جائیں اور جب تک خود مردوں کے لئے مدارس قائم نہ ہو جائیں یہ تحریک قبل از وقت ہے۔

جناب مولوی خواجہ حمید احمد صاحب بی اے معتمد کانفرنس نے اصل تحریک کی تائید کی اور محرک نے اپنے منشاء کی مزید وضاحت کی۔ جناب میر اکبر علی خاں صاحب نے بالآخر اپنا اختلاف اٹھا لیا اور تحریک بالاتفاق منظور ہوئی۔

بعد ازاں مندرجۂ ذیل تحریک جناب حکیم شفا صاحب نے پیش کی۔

"یہ کانفرنس کتب درسی اور سامان تعلیم کی ارزانی اور بار بار کتب درسی کی عدم تبدیلی کیلئے سررشتۂ تعلیمات کی موثر عملیت کو ضروری سمجھتی ہے۔"

جناب مولوی محمد غوث صاحب ام اے شریک معتمد کانفرنس نے اس کی تائید کی اور تحریک بالاتفاق منظور ہوئی۔

اس موقع پر جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے جو مقالہ سنایا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

غضب اور اس کا نفسیاتی و مذہبی علاج

تا بتوانی خستہ مگردان کس را　　　بر آتش خشم خویش منشان کس را
گر راحت جاوداں طمع می داری　　　می رنج ہمیشہ و مرنجان کس را

(عطار)

انسان کی مادی اور روحانی ترقی میں جو شئے سب سے زیادہ مانع و مزاحم نظر آتی ہے، وہ جذبۂ غضب ہے! اس آتش فشاں جذبہ کے اشتعال کے وقت انسان انسان نظر نہیں آتا، بلکہ وہ ایک مہیب غار کا منظر پیش کرتا ہے، جو دخانی آگ سے پٹ رہے، جس میں سے سوائے خوفناک آوازوں اور جان سوز چنگاریوں کے کچھ نہیں نکلتا! اسی لئے اہلِ غضب اپنا نسب شیطان سے ملاتے ہیں، کیونکہ اسی نے تو کہا تھا کہ خلقتنی من نار!

ترا با چنیں تند و سرکشی　　　نہ پندارم از خاکی، از آتشی

ایک غضب ناک شخص کو اعصابی تناؤ کی حالت میں دیکھ کر حضرت حسنؓ نے خوب فرمایا تھا کہ "اے شخص تو غصہ میں اتنا اچھلتا ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اب کی اچھال میں تو دوزخ میں جا پڑے گا!"

اس قابلِ نفرت جذبہ کے تسلط کے وقت انسان کی صورت پاگل یا درندے کی سی ہو جاتی ہے، دماغ اور اعصاب سیاہ دخانات سے بھر جاتے ہیں، نورِ عقل تاریک ہو جاتا ہے، خون میں زہر پیدا ہو جاتا ہے، دنیا تاریک نظر آنے لگتی ہے! اس تاریکی میں اس کو نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی، دوستی اور محبت کے پاک رشتے قرابت اور رحم کے مقدس تار، غیرت و حمیت کے قیمتی روابط ایک ہی ضرب میں پاش پاش کر دئے جاتے ہیں! تند خو کا دنیا میں کوئی دوست نہیں، پاگل اور مجنون کا کوئی دوست کیسے ہو سکتا ہے، اس کی قسمت میں سوز و تپش لکھی ہوتی ہے، اسی سوز و غم کی وجہ سے وہ اطمینانِ قلب اور طمانیتِ خاطر سے محروم ہو جاتا ہے! اور جب قلب مطمئن نہ ہو تو بدن کیسے تندرست رہ سکتا ہے! اس جہانِ فانی میں شادمانیِ زندگی کے نسخے کے یہی دو اجزاء تو ہیں، صحیح و تندرست بدن، اور مطمئن و آزاد ذہن، تند خو ان دونوں سے محروم! اس کی سیاہ بختی و سیاہ روئی میں کسی کو شک کیسے ہو سکتا ہے! اب سوز و تپش، غم و ہم، رنج و حزن کے سوا اس کے ہاں ذخیرہ کس چیز کا ہوتا ہے؟

سوز و تپش بقسمت ہر تند خو بود　　　برق از زبانِ حال مراجبہ گفت

غرض غضب کا جذبہ ہر برائی کی کنجی ہے (حضرت جعفر صادق[1]) بیوقوفی کی جڑ ہے، مسرت و شادمانی کا قاتل ہے، ایمان سوز ہے، اور طمانیت کش، اسی لئے محبِ بنی نوع انسان کے محسنِ اعظم آنحضرت صلعم (فداہ ابی و روحی) سے کسی نے درخواست کی کہ مجھے اپنی زندگی کو سنوارنے کے لئے ذرا سا عمل بتلا دیجئے، تو آپ نے فرمایا لا تغضب یعنی تو غصہ نہ کر، جب اس نے دوبارہ یہی سوال کیا تو یہی جواب دیا گیا، اور تیسرے مرتبہ کے سوال کا بھی یہی جواب[1] ملا، کسی دوسرے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ کے نزدیک کسی گھونٹ کا پینا اس قدر محبوب نہیں جس قدر کہ پی جانا غصہ[2] کا، قرآن کریم نے کاظمین الغیظ والعافین عن الناس[3] کی تعریف کی ہے، اور ان کے اتباع کی تحریص و تاکید۔

کیا اس خونخوار حالت ان جذبہ سے نجات ممکن ہے؟ علمائے نفسیات کا کیا خیال ہے؟ قرآن کریم نے کیا طریقے تعلیم کئے، کیا علم کی تصحیح عمل میں انقلاب پیدا کر سکتی ہے؟ کیا ریاضت و مجاہدہ غصہ کو محو کر سکتا ہے؟ انہی چند اعتبارات پر یہاں بحث کرنی مقصود ہے، ع

ہشدار کہ رہ خود بخود گم نہ کنی؟

سقراط نے ایک ازلی صداقت کو اپنے ان الفاظ میں پیش کر دیا تھا، کہ "نیکی علم ہے" یعنی علم صحیح ہی سے نیک عمل پیدا ہوتا ہے، بشرطیکہ علم زبان ہی کی حد تک محدود نہ رہا ہو، بلکہ قلب میں بھی اترا ہو، تیقن کے درجہ تک پہنچا ہو، جو شخص علم کو زبان ہی کی حد تک محدود رکھتا ہے، اس کو زبانِ سنت میں "علیم باللسان" اور "جاہل بالقلب" کہا گیا ہے، اس کا شمار ان واعظوں میں ہوتا ہے، جن کی شکایت حافظؒ نے اپنی اس مخلود الذکر شعر میں کی ہے،

واعظان کین جلوہ در محراب و منبر می کنند　　　چون بخلوت می روند آن کار دیگر می کنند

علم صحیح بہرحال ضروری ہے، اور پھر اس کے مطابق عمل ہو تو فلاح انسان کے ہاتھ چومتی ہے، جذبہ غضب کی تعدیل کے لئے بھی یہ دونوں ضروری ہیں، اس لئے ہم یہاں ان ہی دو کے متعلق دو باتیں عرض کرتے ہیں:

(۱) علم صحیح:۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ انسان کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے، اور کسی چیز کو مبغوض و مکروہ، وہ محبوب چیز کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے، اور اس کے تحفظ کا خواہاں و متمنی ہوتا ہے اور مکروہ شئے

---

[1] رواہ البخاری [2] رواہ احمد

سے بھاگتا ہے، اور اوس کو دفع کرنا چاہتا ہے، یہ اس کی فطرت ہے، وہ اسی پر مجبول ہوا ہے، جب اس کی مخالفت کیجاتی ہے، تو اس کو غصہ آتا ہے، بذات خود غصہ بری چیز نہیں، یہ مدافعت کا آلہ ہے، تحفظ حیات کے لئے ضروری ہے، استمرار نسل کے لئے ناگزیر ہے تنازع للبقا میں اس کا خاص مقام ہے، اس کے بغیر ارتقا میں نسل انسانی کا بقا ممکن نہ تھا، جس طرح کائنات خارجی میں عنصر ناری ضروری ہے، اس کے عدم سے اختلال رونما ہوتا ہے، اسی طرح فطرت انسانی میں جذبۂ غضب بھی ضروری ہے، اس کے فقدان سے تباہی پیدا ہوتی ہے، موت لازم آتی ہے، اب غضب کے تین درجے ہوتے ہیں۔

(۱) تفریط، یعنی کمی، یہ بالاتفاق مذموم ہے، ایسے ہی آدمی کو بے غیرت کہا جاتا ہے، امام شافعی نے کہا تھا کہ جس شخص کو غصہ دلانے سے بھی غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے، حمیت و غصہ کا بالکل نہ ہونا بھی سخت برا ہے، اگر کسی شخص کی بیوی اس کے ساتھ خیانت کرے، فحش کا ارتکاب کرے، اور وہ حلم سے کام لے تو بتاؤ کیا یہ عقلاً شرعاً و عرفاً سخت مذموم نہیں؟ غصہ کا صحیح موقع پر استعمال ضروری ہے، حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کی صفت "اشداء علی الکفار" قرار دی، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم ظاہر ہے کہ شدت و غلظت غضب کے بغیر رونما ہوتی ہے، لہذا

قہر و لطف اندر محل خود نکوست   جائے گل گل باش و جائے خار خار!

(۲) افراط، یعنی زیادتی، یہ بھی بالاتفاق مذموم ہے، اسی سے نجات کے طریقوں پر یہاں غور کیا جا رہا ہے، جب غضب عقل و دین کی سیاست و قہرمانی سے نکل جاتا ہے، تو انسان درندہ بنجاتا ہے تمام دنیوی و روحانی اقدار سے محروم ہو جاتا ہے، جنون کا تسلط اس کے دماغ پر ہو جاتا ہے، اہل غضب کی فہرست میں اس کا شمار ہونے لگتا ہے، جن کے متعلق یہ کہنا سچ ہوتا ہے کہ ع

سایۂ جن میں یہ انسان رہا کرتے ہیں۔

(۳) اعتدال، یہ درجہ محمود ہے، یہاں انسان کا غصہ عقل کے قہرمانی میں ہوتا ہے، دین کا مطیع ہوتا ہے اس کے اشارہ کا منتظر ہوتا ہے، جہاں حمیت شرعاً واجب ہوتی ہے، وہاں وہ شدت سے کام لیتا ہے، اور جہاں اس کا پی جانا ضروری ہوتا ہے، وہاں وہ حد اعتدال سے نہیں بڑھتا، اپنے نفس کا مالک ہوتا ہے، جانتا ہے کہ ایسے موقع پر ع

ہر کرا حلم نیست او چہ دوست!

ظاہر ہے کہ ہم یہاں غضب کے استیصال کی تعلیم نہیں دے رہے ہیں، بلکہ اس کے اعتدال کی، ہم غضب میں افراط و تفریط کو رفع کر کے وسط کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں کہ خیر الامور اوساطہا۔

دیکھو غصہ کا کوئی معروض ضرور ہوتا ہے، یعنی اس کا تعلق کسی شئے سے ہوتا ہے، اب اس معروض کی تین شکلیں ہوتی ہیں؛[1]

(۱) ایک وہ جو سب کے لئے ضروری اور لازمی ہے، جیسے غذا، لباس، مکان، صحت، جب ان پر حملہ کیا جاتا ہے، تو شعلۂ غضب ان کے تحفظ کے لئے بھڑک اٹھتا ہے، حفاظت ذات و بقائے نسل کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر جاندار اپنے دشمن کا مقابلہ کرے، اور ضروریاتِ زندگی کے تحفظ میں شدت و قوت کا استعمال کرے، ورنہ وہ صفحۂ ہستی ہی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا، اور یہ فطرت کا مقصود نہیں، مجاہدہ اور ریاضت سے اس قسم کے غصہ کو محو کرنا ممکن نہیں، اور نہ ہی اس کی کوشش ہی کرنی چاہئے، کیونکہ یہ خلافِ فطرت ہے اور غیر اختیاری، غیر اختیاری شئے پر حکم اخلاقی لگایا نہیں جاسکتا، ہاں یہاں بھی حد اعتدال سے تجاوز، ظلم و ستم نارو ا ہے، اور بہ تکلف حلم و برداشت کرتے کرتے تحمل کی عادت پیدا کی جاسکتی ہے،

(۲) غصہ کے معروض کی دوسری قسم میں وہ اشیاء داخل ہیں جو بعض کے لئے تو ضروری ہیں اور بعض کے لئے غیر ضروری، جیسے صناع کے لئے آلات و اوزار اور عالم کے لئے کتابیں، اگر ان محبوب اشیاء کو نقصان پہونچتا ہے، تو رنج ہوتا ہے، اور نقصان پہنچانے والے پر غصہ آتا ہے، اس قسم کے غصہ کا بھی بیخ و بن سے استیصال نہیں کیا جاسکتا، لیکن مجاہدہ سے غصہ کی شدت باطن میں باقی نہیں رہتی، اور صبر کی خو پیدا ہو سکتی ہے، اور سختی صبر کا احساس کم ہو سکتا ہے،

(۳) غصہ کے معروضات کی تیسری قسم میں وہ اشیاء شامل ہیں جو کسی کے لئے بھی ضروری نہیں، جیسے مال و جاہ، خدم و حشم، یہ عادۃً محبوب ہیں، لیکن قطعاً داخل ضرورت نہیں، یعنی ضروریاتِ زندگی میں ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا، یہ "تعیشات محض" میں شامل ہوتے ہیں، جو غیظ و غضب ان کے متعلق سے پیدا ہوتا ہے، وہ ریاضت و مجاہدہ سے قطعاً قابلِ استیصال ہے، ہم یہاں جو کچھ عرض کر رہے ہیں، اس کا زیادہ تر تعلق اسی قسم سے پیدا ہوتا ہے؛

جب ہم غصہ کی نفسیات پر غور کر کے یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کا انبعاث محبوب اشیاء کے فقدان یا

---

[1] مقابلہ کرو احیاء العلوم باب غضب،

ضیاع سے ہوتا ہے، تو ہمیں ایک صداقتِ کلیہ کا صحیح وجدانی علم حاصل ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ غیظ و غضب کا اصل و مبداء حُبِّ اشیاء ہے، جس طرح تمام حزن و ملال کا مبداء بھی یہی حبِ اشیاء ہے، نیز تمام حمق و جہالت کا بھی مبداء یہی ہے، رفعِ غضب کے لئے سچ پوچھو تو تبدیلِ مزاج کی ضرورت ہے، جیسا کہ عارفِ روم نے فرمایا تھا، کہ انما اللہ بیرِ تبدیل المزاجِ اس تبدیلی کے لئے تنقیۂ دماغ ضروری ہے، جس کا انحصار تزکیہ قلب پر ہے؛

اس کے لئے چند قرآنی اور نفسیاتی حقائق پر تجرید ذہنی کے ساتھ غور کرو، تم مال و دولت کو جو تمہارے قبضہ میں ہے، اپنی ملک سمجھتے ہو، کیونکہ تم اس پر متصرف ہو، اپنی مرضی سے خرچ کرتے ہو، اپنی مرضی سے ذخیرہ کرتے ہو، اپنے مالک ہونے میں تمھیں کوئی شبہ نہیں ہوتا، ناگہاں تم بیمار ہو جاتے ہو، دولت تمھیں حالتِ صحت میں جان سے زیادہ عزیز تھی، لیکن جب درد کی شدت تمھیں بیقرار کرتی ہے، تو مال تمھیں "مار" نظر آنے لگتا ہے، تم اضطرار کے ساتھ طبیب کو طلب کرتے ہو، علاج معالجہ پر بے دریغ خرچ کرتے ہو، اسی چیز سے مفارقت گوارا کرتے ہو، جو تم کو بہت زیادہ پیاری تھی! اب تمھیں معلوم ہوتا ہے کہ مال سے زیادہ محبوب شئے صحت ہے، یعنی درد و الم سے رہائی، اور سکون و آرام کا حصول؛ لیکن باوجود تمھاری تمام سعی و کوشش کے تمھیں صحتِ بدنی اور راحتِ قلبی حاصل نہیں ہوتی، تمھارے طبیب کا نسخہ اثر نہیں دکھلاتا، طبیب کے ابلہ ہونے کا تم کو یقین ہو جاتا ہے، اور تمھیں خوف ہوتا ہے کہ یہ کہیں اجل کی پیشقدمی کی علامت نہ ہو، اس سے زیادہ قابل طبیب تمھارے علاج میں مصروف ہوتے ہیں، بہ پہدف نسخوں کا استعمال ہوتا ہے، لیکن تمھارا درد بڑھتا جاتا ہے، اضطرار و اضطراب میں ترقی ہوتی ہے، تمھارا مال تمھاری جاہ و حشمت تمھارے خادم و نوکر اپنے تمام ذرائع کا تم استعمال کر رہے ہو، لیکن ان سے تمھیں کوئی فائدہ کوئی نفع حاصل نہیں ہو رہا ہے، تم اپنی تکلیف اپنے درد میں کسی قسم کی کمی نہیں پاتے، اب تمھیں یاد پڑتا ہے کہ تم نے کہیں پڑھا تھا، یا کسی سے سنا تھا کہ قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّ لَا مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا، الفاظ تمھارے ذہن میں ہیں، معنی کا تمھیں کھلا فہم حاصل نہ تھا، وجدان میں ان کا تحقق نہ ہوا تھا، ان کے مصداق سے بے خبر تھے، اب شاید تمھیں پہلی دفعہ روشنی نظر آ رہی ہے، جہل کی ظلمت دور ہو رہی ہے، اپنی ہی ذات میں معنی کا تحقق ہو رہا ہے، اور خود کو نہ نفع پر قادر پا رہے ہو اور نہ ضرر کے دفع کی قوت ہی کا تمھیں احساس ہو رہا ہے! پھر تم مالک کس شئے کے ہو؟ تمھاری مالکیت سے تمھیں کیا فائدہ؟ اپنی محبوب ترین جان سے تکلیف کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے، درد کی شدت

میں رتی بھر کمی نہیں کر سکتے، مال تمھیں اس لئے محبوب تھا، کہ اس سے درد کا ازالہ ہوتا ہے، راحت حاصل ہوتی ہے، پھر یہ کیا ماجرا ہے، اس کا اثر کہاں گیا، ؟ جب مال کے اثرات تمھارے اختیار میں نہیں تو ایسے بے اثر مال کو لیکر کیا کروگے ؟ یہ تو محض ایک بارگراں ہے،! اس سے تو کمر ٹوٹتی ہے،! یہ پھر اتنا عزیز اتنا محبوب کیوں ہو، ؟ سچ پوچھو تو یہ تمھاری ملک ہی نہیں، یہ حق تعالیٰ کی ملک ہے، لِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ۲۸ ع۱۳) اور وہی اس کے حقیقی مالک ہیں۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا (پ ع) یہ تمھارا مغالطہ تھا کہ تم اس کو اپنی ملک سمجھ رہے تھے، اور اپنے کو اس کا مالک جان رہے تھے، اسچ پوچھو تو تمھاری کوئی چیز ہی نہیں، تم اپنی ذات کے لحاظ سے فقیر محض ہو، اور حق تعالیٰ ہی غنی و حمید ہیں، یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (پ۲۲ ع۳۰) حق تعالیٰ نے اپنی عنایت و رحمت سے تمھیں دولت دی عزت دی، مال دی، دولت تمھارے پاس امانت ہے، تم امین ہو، اس سے زیادہ نہیں، مالک و حاکم حق تعالیٰ ہیں، تمھیں حق امانت کا احساس ہونا چاہیئے، استرداد امانت کا جب وقت آئے تو تمھیں خوشی کے ساتھ اس کو مالک حقیقی کے سپرد کر دینا چاہیئے، جانتے ہو استرداد امانت کے مواقع کونسے ہیں، ؟ ان کی تفصیل کا یہ وقت نہیں لیکن اتنا یاد رکھو کہ جب تمھاری دولت پر آفت آتی ہے، وہ تمھارے ہاتھوں سے چھین لیجاتی ہے، اور تم اس کو بچا نہیں سکتے اور تمھارے قلب کے تار ٹوٹے جاتے ہیں، تمھیں احساس ہوتا ہے، کہ تم اپنی ملک سے محروم ہو رہے ہو تو تمھاری نارِ غضب بھڑک اٹھتی ہے یہی وقت اس علم صحیح کے استحضار کا ہے، کہ تم محض امین ہو، مالک نہیں، مالک حقیقی استرداد امانت چاہ رہا ہے، متاع غیر پر تمھارا اختیار نہیں، تمھارا فریضہ ہے کہ تشکر و امتنان کے جذبات کے ساتھ امانت کو حوالہ کر دو، غیظ و غضب کا کوئی موقع نہیں، بلکہ خوشی کا مقام ہے، دیانت دار، امانت کے استرداد کے وقت ضیق محسوس نہیں کرتا، بلکہ اس کے قلب کو سرور و مسرت ہوتی ہے، کہ اس نے اتنا عرصہ امانت کی حفاظت کی شرائط مقررہ کے تحت اس پر متصرف رہا، اور بالآخر وقت مقررہ پر مالک حقیقی کے ہاتھ امانت سپرد کر رہا ہے، !

ہاں کیا تم جانتے ہو کہ تم پر ان بلیات کا نزول کیوں ہے، ؟ تمھارا مال تمھاری دولت آفتوں کا نشانہ کیوں بن رہی ہے، اور تم غیظ و غضب کی آگ میں کیوں جل رہے ہو، ؟ کیا اس کا بڑا سبب یہی خیانت فی الامانت تو نہیں ؟ جہاں تم نے اپنے علم کی تصحیح کی، اپنے کو امین جانا، اور امانت کے تصرف میں خیانت کو ترک کیا، اور شرائط معینہ کا خیال رکھا، کہ فوراً تمھارے قلب کی حفاظت کر دیجاتی ہے، اب وہ غصہ کی آگ سے محفوظ ہو جاتا ہے، اپنے نفس و امانت کا علم ہو جانے کے بعد وہ اپنی مالکیت کے وہم سے بھی نکل آتا ہے،

حاکم حقیقی وہ حق تعالیٰ ہی کو جاننے لگتا ہے، ان الحکم الا للہ کا اس کو یقین پیدا ہو جاتا ہے، اپنے حکم کی خلاف ورزی پر اس کو آگ نہیں لگتی، اس کا شعلۂ غضب نہیں بھڑک اٹھتا، حبِ جاہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور نتیجہ کے طور پر جذبۂ غضب کا بھی استیصال ہو جاتا ہے، اگر مجھ پر وجدان میں یہ بات کھل جائے، کہ میری ذات فقیرِ محض ہے، مالک نہیں مملوک ہے، حاکم نہیں محکوم ہے، رب نہیں مربوب ہے، مولیٰ نہیں عبد ہے، ہاں اگر اس حقیقت کا محض تعقلی علم نہیں وجدانی تحقق ہو جائے تو اب میری نظر میں غضب کے سارے معروضات فنا ہو جاتے ہیں، مال وجاہ خدم وحشم کا تعلق میری ذات سے باقی نہیں رہتا، فقیر کو ان سے کیا تعلق ہو سکتا ہے، ؟ یہ تو اس ذات کے لوازمات ہیں، جو غنی وحمید ہے، جو مولیٰ ورب ہے، جو مالک وحاکم ہے، !

حق تعالیٰ ہی الٰہ ہیں لا الٰہ الا اللہ وہی معبود ہیں، اور مستعان اور ہم سب عبد، عبد اپنی ماہیت ہی کے لحاظ سے ذلیل ہے، اور فقیر، اس کی یہ نسبت ذل وافتقار حق تعالیٰ ہی سے ہے، کسی غیر سے نہیں، وہ غیر اللہ کی نسبت سے غنی ہے، اور حق تعالیٰ کی نسبت سے فقیر، غنی کا فقیر سارے عالم سے مستغنی ہوتا ہے، ! جب قلبِ مومن پر اس توحید کا غلبہ ہو جاتا ہے، تو وہ ساری دنیا سے اور دنیا کی تمام محبوب ومرغوب چیزوں کی محبت سے آزاد ہو جاتا ہے،۔

رفت آنکہ بقبلۂ بتان رو آرم — حرفِ غمِ شان بہ لوحِ دل بنگارم
آہنگ جمالِ جاودانی دارم — حسنے کہ نہ جاودان از و بیزارم

(جامی)

اور تم اوپر یہ دیکھ چکے ہو کہ غیظ وغضب کی اصل ومنشاء حبِ اشیاءِ فانیہ ہے، لا الٰہ الا اللہ سے قلب کا تزکیہ اور روح کا تجلیہ ہوا کہ حبِ اشیاء فنا ہوئی، اور اس حب کے فنا ہوتے ہی غضب کی بھی بیخ کنی ہو گئی !

(۲) مجاهده :۔ اس علم صحیح کے حصول کے بعد اب تمہیں مجاہدہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے مجاہدہ علم کے قلب میں نفوذ وسریان کے لئے ضروری ہے، مجاہدہ سے علم کا استقرار ہوتا ہے، تلوین جاتی ہے، تمکین پیدا ہوتی ہے، مجاہدہ ہدایت کے راستوں کو کھولتا ہے، حصول مقصود کا یہی واحد ذریعہ ہے، تمہارے سامنے جو علم صحیح اوپر پیش کیا گیا ہے، اس پر تدبر ضروری ہے، تفکر لازمی ہے، فجر کا وقت اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے، اس وقت اعصاب رات کی استراحت کی وجہ سے تازہ دم

ہوتے ہیں، قلب کو سکون ہوتا ہے، دماغ افکار دنیوی سے تشنہ خالی ہوتا ہے، ایسے وقت تمھیں زندگی کے کاروبار شروع کرنے سے پہلے اس ازلی و ابدی صداقت پر غور کرنا چاہیئے، اس کو قلب کی گہرائیوں میں اتارنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اپنے تحت الشعور نفس تک پہنچانے کی سعی کرنی چاہیئے، کہ مالک حاکم حق تعالیٰ ہیں، حکم ان ہی کا چلتا ہے، ہر چیز ان ہی کی ملک ہے، وہی رب ہیں اور وہی مولیٰ، ہم انہیں کے فقیر ہیں انہی کے در کے سائل ہیں، وہی ہمارے معبود ہیں، وہی مطلوب، وہی محبوب، وہی مقصود، ان کو رکھ کر ہمیں کسی چیز کا محتاج نہیں، ہم غنی عن الشئی ہوں، ہر شئے سے بے نیاز، جبھی سے ارشاد ہوا ہے۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاكُمْ	تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے، تم اس پر رنج نہ کرو، اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں،
(پ ۲۷، ع ۱۹)	

[illegible]

عالم طفیل ماست موجود
مائیم زکائنات مقصود!

جوں جوں تمہارا مراقبہ، تمہارا تفکر و تدبر عمیق ہوتا جائے گا، تمہارا نقطۂ نظر بدلتا جائے گا، اور یاد رکھو کہ نقطۂ نظر ہی کے بدلنے سے خودی میں انقلاب پیدا ہوتا ہے، اور خودی کے انقلاب سے کائنات کے چار سو بدل جاتے ہیں۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے

اسی انقلاب مزاج سے تمہارے قلب سے اشیاء فانیہ کی محبت محو ہوتی ہے، اور عقیدہ کا منبا ہی مسمار ہو جاتا ہے، جب تک تم نے اپنے کو مالک و حاکم جانا، اس وقت میں تم نے خیانت کی، امن نہیں حاصل ہوئے، غاصب کو یہاں کہاں امن و چین لینے دیتا ہے، تم میں اور کائنات میں توافق نہیں تخالف و تنازع قائم ہو گیا، اب ہر واقعہ تمہارے غضب کو بھڑکائے گا، اور تمہارے لیے سوہان روح کا باعث ہوگا، جب تم نے اپنا نقطۂ نظر بدلا، حق تعالیٰ کو مالک و حاکم جانا اور خود کو ان کا مملوک و محکوم، اور اپنی امانت سے واقف ہو گئے تو اب کائنات میں اور تم میں توافق پیدا ہو جائے گا، اس توافق کے بعد اسباب غضب کا کوئی موقع نہیں پیدا ہو سکتا،

تسلیم ہی شوی از ان غم گیتی
تسلیم شو ہر آنچہ آید پیش است!

اس لئے تمہیں دوران تفکر میں رضاء یا قضاء کے اعتبارات پر خاص طور پر توجہ کرنی چاہیئے، دیکھو مدبر کار در حقیقت کون ہیں؟ حق تعالیٰ ہیں، یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ جب وہ مدبر ہیں

امر و حکم ان ہی کا چل رہا ہے، تو ان کی تدبیر کے ساتھ حسن رضا، درکار ہے، نہ کہ غصّہ و غضب! دیکھو حق تعالیٰ کی ذات کامل، ان کے صفات کامل، ان کے افعال کامل، اور خود ہی خالق، (خلقکم وما تعملون) تو اب یہ تمھارے ذہن میں جم جانی چاہیے، کہ

ع ہر چہ از دوست می رسد نیکو است

دیکھو حق تعالیٰ مومن پر رحیم ہیں کان بالمؤمنین رحیما، اب اگر تم میں ایمان ہے، اس کی حفاظت تم نے کر لی ہے، تو اب ہر واقعہ تمھارے لئے بشان رحمت ہی پیش آئے گا، گو بصورت قہر کیوں نظر نہ آئے کیونکہ حق تعالیٰ تم پر رحیم ہو کر تمھارا نقصان روا نہیں رکھتے! جب اس صداقت پر تم غور کروگے، اور تمھارے قلب پر وہ مسلط ہو جائے گی، تو بے اختیار تمھاری زبان سے یہ پرترنم الفاظ نکلنے لگیں گے، :۔

خواہی ز وصال شاد مان دار مرا   خواہی ز فراق بہ فغان دار مرا

من با تو نگویم کہ چساں دار مرا   زانساں کہ دلت خواست چناں دار مرا   (خیام)

یہ مجاہدہ کا انجام ہوگا، لیکن اس غایت کا حصول یکدم نہیں ہوتا تمھیں اپنے کام میں لگے رہنا چاہیئے اور ہمت و استقلال سے قدم بڑھائے جانا چاہیئے، کامیابی بالآخر مجاہد کے ہاتھ ہوتی ہے، اور کان حقاً علینا نصر المؤمنین کا وعدہ اس کے لئے پورا ہو کر رہتا ہے، !

اندریں رہ می تراش و می خراش   تا دم آخر دمے فارغ مباش

دوست دارد دوست این آشفتگی   کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

کار کے کن تو و کاہل مباش !   اندک اندک خاک چہ را می تراش

چون نمی چاہے می کنی ہر روز خاک   عاقبت اندر رسی در آب پاک

چوں نشینی بر سر کوے کسے   عاقبت بینی تو ہم روے کسے

اس مقالہ کے ختم ہونے کے بعد جناب مولوی خواجہ حمید احمد صاحب بی اے نے تحریک مندرجۂ ذیل پیش کی۔

"یہ کانفرنس ڈرائنگ کے ساتھ ساتھ خوش نویسی کی تعلیم علی السبیل البدل مدارس میں ہونے اور خصوصیت کے ساتھ اس کا انتظام مدارس فوقانیہ میں کئے جانے کے لئے محکمہ سررشتہ تعلیمات کی توجہ مبذول کراتی ہے"۔

جناب منشی فاضل مولوی محمد شمس الدین صاحب نے تائید کی جس پہ تحریک بالاتفاق منظور ہوئی۔

ان دونوں تحریکوں کے منظور ہو جانے کے بعد جناب نواب میر احمد علیخاں صاحب ایم اے ڈپ ایڈ، ریڈر عثمانیہ ٹریننگ کالج نے مقالہ سنایا جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

مدرسہ اور اولیاء۔ ان کے باہمی فرائض

عام معنوں میں مدرسہ اب اُس ادارہ کو کہتے ہیں جو بچوں کی عام تدریس اور تدریب کا کام انجام دیتا ہے اور رسمی تعلیم کا یہ سب سے اہم اور بنیادی مرکز متصور ہوتا ہے۔ مدرسہ میں معلمین، متعلمین، آلات و سامان تعلیم، عمارات مدرسہ کھیل کود کے میدان شامل ہیں۔

اولیاء میں والدین، دوسرے رشتہ دار اور بعض وقت غیر رشتہ دار شامل کئے جاتے ہیں جو بچوں کی حمایت اور حفاظت کرتے ہیں اور جنھیں بچوں کے اخراجات وغیرہ کا کفیل اور ان کی پرداخت کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے! اس مقالہ کا مقصد یہ ہے کہ مدرسہ اور اولیاء کے چند اہم فرائض کو پیش کیا جائے۔

مدرسہ کی قدیم تاریخ ہے اور بے شمار تبدیلیوں کے بعد اس نے اپنی موجودہ تشکیل پائی ہے۔ اس کا سلسلہ ان معنوں میں کہ مدرسہ بھی بچوں یا آیندہ نسلوں کو تعلیم دیتا ہے اور قدیم سے قدیم زمانہ میں بھی بچوں یا آئندہ نسلوں کی تعلیم ہوا کرتی تھی، قدیم سے قدیم زمانہ سے ملایا جا سکتا ہے۔ لیکن قدیم زمانہ کی تعلیم اور موجودہ زمانہ کے مدرسہ کی تعلیم میں بعض چیزوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں بچوں کی تعلیم یا تربیت گھر پر والدین یا سن رسیدہ اور تجربہ کار رشتہ دار دیا کرتے تھے لیکن اب اس تعلیم یا تربیت کی ذمہ داری عموماً مدرسہ پر عاید کیجاتی ہے۔ قدیم زمانہ کی تعلیم عملی تھی۔ غیر رسمی طور پر کھیل کود کے ذریعہ، بڑوں کی نقل کر کے اور زندگی کی مصروفیات میں عملاً حصہ لینے کے مواقع دیکر ضروری اور مفید معلومات اور عمل سے بچے واقف کرائے جاتے تھے۔ گو یہ صحیح ہے کہ تعارفی رسوم بعد کی نظری تعلیم کے اساسے خیال کئے جاتے ہیں لیکن ان کے سلسلہ میں جو تعلیم دیجاتی تھی وہ بھی عملی مقاصد لئے ہوئے تھی اور قبیلہ کے سرپرست یہ تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس کے برخلاف موجودہ مدرسہ کی تعلیم بڑی حد تک رسمی اور نظری ہوتی ہے۔ قدیم زمانہ کی سادہ زندگی اور مختصر سی مصروفیات کی وجہ سے اُس زمانہ میں کاروبار میں تقسیم اور تفریق کی ضرورت پیش نہ ہوئی۔ اس لئے تعلیم کا کام بھی دوسرے کاموں

علیحدہ نہیں کیا گیا اور نہ اس کام کے انجام دینے کے لئے خاص ادارہ یا اشخاص کی ضرورت لاحق ہوئی اس کے برخلاف جب سے کہ انسان کی زندگی پیچیدہ اور اس کے کاروبار میں کثرت ہوئی کاموں میں تقسیم اور تفریق بھی کی گئی تاکہ مختلف قسم کے کاروبار کو بخوبی انجام دیا جا سکے۔ چنانچہ اسی ضرورت اور مقصد کے تحت تعلیم کا کام دوسرے کاروبار سے علیحدہ کیا گیا اور اس کام کے انجام دینے کے لئے ابتدا میں خاص اشخاص مقرر ہوئے جن کے بارے میں محسوس کیا گیا کہ خاص صلاحیت رکھتے تھے چنانچہ بربریت کے دور کے اواخر میں مذہبی رسوم اور روایات کو روبہ عمل لانے کے لئے اور ان دونوں چیزوں کے متعلقہ معلومات اور عمل کے تحفظ اور اشاعت کے سلسلہ میں پہلی دفعہ ایسے اشخاص کا پتہ چلتا ہے جن کو اولین معلمین سے موسوم کیا جاتا ہے۔ معلمین کو تعلیم کے ذریعہ کے طور پر اور ان میں سے بعضوں کے گھروں کو تعلیم گاہوں کی حیثیت حاصل ہوئی بلکہ سترھویں صدی عیسوی تک اہمیت حاصل رہی۔ لیکن اس سے مدرسہ کی تردیج میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی چنانچہ اشوری، بابلی، کلدانی، چینی، ہندوستانی، مصری، ایرانی، یہودی، یونانی اور رومی جیسے قدیم متمدن اقوام میں مدرسہ کو رواج دیا گیا۔ لیکن ان قدیم متمدن اقوام کے مروجہ مدرسوں اور موجودہ مدرسہ میں حسب ذیل امور میں فرق پایا جاتا ہے۔

(۱) قدیم مدرسے مذہبی میلان لئے ہوئے تھے اور مذہبی مقاصد کی تحصیل کے لئے قائم کئے گئے تھے۔ موجودہ مدرسہ بالعموم دنیوی مقاصد رکھتا ہے گو مذہبی یا اخلاقی تعلیم کے انتظامات بھی ایک حد تک اس میں پائے جاتے ہیں (۲)۔ قدیم مدارس خاص طبقوں اور ایک عرصہ دراز تک مذہبی رہبروں کی تعلیم کے لئے خود وقف تھے۔ موجودہ مدرسہ عوام کی تعلیم کے لئے بالعموم قائم کیا گیا ہے۔ عام تعلیم اس کا مقصد ہے نہ کہ کسی خاص پیشہ کی تعلیم (۳)۔ قدیم مدرسوں کا قیام اور ان کے انتظامات میں انفرادی اثرات یا شخصیات کو بڑا دخل تھا۔ موجودہ مدرسہ میں نہ صرف اجتماعی یا گروہی اثرات پائے جاتے ہیں بلکہ اس کی بنیاد زیادہ مستحکم اور مستقل ہے۔

قدیم مدارس کی یہ خصوصیات اٹھارھویں صدی عیسوی کے اواخر تک مدارس میں عموماً پائی جاتی تھیں۔ اس صدی کے بعد سے مختلف ممالک میں سماجی، سیاسی اور معاشی حالات کی تبدیلیوں کی وجہ مدرسہ کے اساسی تصورات میں بھی تبدیلیاں ہوئیں اور نئے حالات اور ضروریات کے اثرات مدرسہ پر مرتب ہونے لگے۔ گذشتہ سو ڈیڑھ سو سال کی تاریخ پر نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ نہ صرف انسانی زندگی میں

دن بدن پیچیدگیوں میں اضافہ اور کاروبار میں کثرت ہوئی ہے بلکہ بچوں اور ان کے سماجی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی ماحول میں تطابق پیدا کر کے ان کی آئندہ زندگی کو انفرادی اور اجتماعی نقاطِ نظر سے کامیاب بنانے کا سوال اس قدر اہم اور ماہرانہ حل کا متقاضی ہو گیا ہے کہ مدرسہ کے فرائض قریب قریب ہمہ گیر اور نہایت ہی نازک بن گئے ہیں۔

چنانچہ مدرسہ سے اب یہ توقع کیجاتی ہے کہ وہ اپنے طالب علموں کی جسمانی صحت برقرار رکھے گا، ان کی ذہنی ترقی کا ممد و معاون بنے گا، ان میں شہری اور سماجی ذمہ داریوں کا نہ صرف احساس پیدا کریگا بلکہ ان ذمہ داریوں کو روبہ عمل لانے کی انہیں تربیت دیگا، ان میں عملی کارکردگی پیدا کریگا، انہیں اوقات فرصت کو اچھی طرح صرف کرنے اور تفریحی مشاغل میں حصہ لینے کا عادی بناسکیگا، ان میں اخلاقی ضبط اور نیک خصائل پیدا کرے گا اور انہیں اپنے ماحول سے تطابق پیدا کرنے کی صلاحیتوں کی تعمیر و نشو نما کر کے انہیں کامیاب زندگی بسر کرنے کے قابل بنائے گا۔

ان وسیع توقعات کو مدرسہ موزوں انتظامات اور مفید طریقۂ کار کے ذریعہ، مثلاً مفید اور قابلِ عمل مقاصد اور نصاب العین کو اپنے سامنے رکھ کر، اچھی فضا، روایات اور ٹون پیدا کر کے، قابل اور نیک معلمین کے تقرر کے ذریعہ مفید مضامین کو شریک نصاب اور ان کو نفسیاتی اور سائنسی طریقوں پر پیش کر کے، مدرسہ کی عمارت، اور فرنیچر کو تعلیمی اور حفظِ صحت کی مناسبت سے تعمیر اور استعمال کر کے کارآمد آلات اور سامان تعلیم کو روبہ عمل لاکر اور صحت جسمانی کے تحت مصروفیات اور مشاغل کو شریک کر کے پورا کر سکتا ہے۔

جو مدرسہ ان فرائض کو پورا نہیں کرتا وہ مدرسہ جوابدہ قرار دیا جاتا ہے۔ گو بادی النظری میں یہ تصفیہ نامناسب نہیں معلوم ہوتا لیکن مدارس کے حالات کا گہرا مطالعہ کرنے سے واضح ہوگا کہ مدارس ایسے بھی ہوتے ہیں جو مالی اور اخلاقی ساز و سامان رکھنے کے باوجود اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتے ایسے مدارس بلاشبہ جوابدہ ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کے پورا نہ کرنے پر ان سے جواب لینا چاہیئے۔ لیکن ایسے بھی مدارس ہیں جو مالی یا اخلاقی یا دونوں قسموں کے ساز و سامان کے عدم وجود کی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرسکتے۔ گو ایسے مدارس بری الذمہ قرار دئے جائیں گے لیکن قوم اور ملک پر یہ ذمہ داری عائد ہوگی کہ ایسے مدارس کی اصلاح کرے یا انہیں بند ہی کیا جائے کیونکہ ان کی بری تعلیم سے بچوں کو بجائے فائدہ کے نقصان پہونچتا ہے۔

مدرسہ کے تعلیمی اور تربیتی کام کے نامکمل رہنے یا اس میں رکاوٹ پیدا ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوا کرتی ہے کہ اولیاء مدرسہ کے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ اُن ممالک میں بھی جہاں مدرسہ کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور اس سے مفید نتائج حاصل ہو رہے ہیں مدرسہ کے ساتھ اولیاء کے اشتراکِ عمل پر زور دیا جاتا ہے لیکن اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مدرسہ کے کام کو بہتر اور زیادہ مؤثر بنایا جائے۔ اس کے برخلاف جن ممالک میں تعلیم کی حالت پست ہے وہاں مدرسہ کے ساتھ اولیاء کے تعاون کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے تاکہ دونوں کی مشترکہ اور متفقہ کوشش سے تعلیم ترقی کر سکے اور رسمی اور غیر رسمی تعلیمی ذریعوں سے تعلیم کی توسیع اور اشاعت ہو سکے۔

لیکن جب تک کہ شعوری طور پر مدرسہ کی ضرورت یا افادیت کو اولیاء محسوس نہ کریں مدرسہ کے ساتھ ان کا تعاون مؤثر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اولیاء میں یہ احساس پیدا کرنا چاہئے کہ مدرسہ مختلف نقاطِ نظر سے ضروری ہے۔ مثلاً ایک تو یہ اس لئے ضروری ہے کہ کثرتِ کاروبار کی وجہ سے تعلیم یافتہ اور تعلیم کی افادیت کو جانتے والے اولیاء بھی اپنے بچوں کی تعلیم خود نہیں دے سکتے۔ دوسرے یہ کہ زیادہ یا کم تعداد میں ایسے اولیاء بھی ہوا کرتے ہیں جو تعلیم کی افادیت کو نہیں جانتے اور نہ تعلیم یافتہ ہیں۔ اس لئے یہ اپنے بچوں کو تعلیم دینے کے قابل نہیں ہوتے۔ تیسرے یہ کہ مدرسہ تعلیمی کام کی مہارت اور وسائل رکھتا ہے جن کی وجہ سے تعلیمی کام کو بمقابلہ کسی اور ادارہ یا فرد کے وہ بہتر انجام دے سکتا ہے۔ چوتھے یہ کہ جہاں مدرسہ کے سوا کسی اور نظام یا طریقہ کے تحت تعلیم کے سلسلہ میں انتظامات کئے جا سکتے ہوں تو بھی ان طلباء میں وہ میلانات اور عادات نہیں پیدا کئے جا سکتے جو مدرسہ کی تعلیم سے برآمد ہوتے ہیں کیونکہ مدرسہ جب اپنا کام اچھی طرح انجام دیتا ہے تو وہ گھر اور سماج میں نہ صرف ربط پیدا کرتا ہے بلکہ خود اپنے میں دونوں کی خصوصیات اور رجحانات لئے ہوئے ہوتا ہے۔ پانچویں یہ کہ مدرسہ کے تعلیمی اخراجات اولیاء پر کچھ بار عاید کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود طلباء کو کثیر فائدہ پہونچتا ہے۔ لہذا ان وجوہ کی بناء پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اچھا مدرسہ قوم اور ملک کی اہم خدمات انجام دیتا ہے۔

اولیاء کی حد تک ایسے مدرسہ کی خدمات کا اعتراف کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ اولیاء اس کے ساتھ تعاون کر کے اس کے جسمانی، اخلاقی اور ذہنی تعلیم کے مقاصد کو آگے بڑھائیں۔ اس ضمن میں جو کام وہ انجام دے سکتے ہیں یا انہیں انجام دینا چاہئے اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔ **مثلاً جسمانی تعلیم**

اولیاء کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کے لئے موزوں اور مفید غذا کا انتظام کریں بلکہ اس کی مقدار اور اوقات صحت کے مطابق ہوں اور موسموں کا بھی غذا میں لحاظ رکھا جائے۔(۲)۔ مدرسہ کے کھیل کود اور جسمانی ورزشیات وغیرہ میں بچوں کو ذوق اور انہماک کے ساتھ حصہ لینے پر آمادہ کرنا چاہیئے۔(۳)۔ جس مدرسہ میں طبی معائنہ کے انتظامات ہوتے ہیں اور اس کے نتائج سے اولیاء کو واقف کرایا جاتا ہے اولیاء کو چاہیئے کہ حسب ضرورت بچوں کی صحت برقرار رکھنے یا بہتر بنانے کی تدابیر اختیار کریں۔ اگر طبی معالجہ کی ضرورت ہو تو ایسی ضرورت کو پورا کرنا بھی اولیاء کا فرض ہوگا۔(۴) ایسے بچے جو متعدی بیماریوں میں مثلاً چیچک، آشوب چشم، گوبری، انفلوئنزا، خارش وغیرہ میں مبتلا ہوں تو اولیاء کو چاہیئے کہ جب تک کہ ان امراض کی متعدی کیفیت دور نہ ہو اس وقت تک بچوں کو مدرسہ نہ بھیجیں تاکہ بیمار بچوں کو جلد صحت پانے کا موقعہ بھی ملے اور دوسرے صحتی بچے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ گھروں پر ان بچوں کی تیمار داری کا خاطر خواہ انتظام ہو۔(۵) بچوں کی عام صفائی کا خیال رکھنا چاہیئے مثلاً ان کا لباس پاک صاف ہو، چہرہ، ہاتھ، دانت اور بدن کی صفائی کو عملاً اہمیت دی جائے۔(۶) بچوں کو حادثات سے بچانا ضروری ہے۔ اس کی تربیت گھر ہی پر ہونی چاہیئے۔ وہ مدارس جو گنجان آبادی میں ہیں اور آمد و رفت کی کثرت ہوتی ہے وہاں سواریوں سے ٹکرا جانے کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ بچوں کو تاکیداً کہنا چاہیئے کہ ان مقامات پر احتیاط سے آیا جایا کریں۔(۷) بعض وقت دیکھا جاتا ہے کہ بچے مدرسہ آتے جاتے بازار سے بلکہ مدرسہ ہی کے احاطہ میں صحت کو خراب کرنے والی اشیاء خرید کر کھا لیتے ہیں۔ اولیاء کو اسے روکنا چاہیئے اور مدرسہ کا فرض ہے کہ ایسی غیر صحتی اشیاء یا خراب حالت میں رکھی ہوئی اشیاء کی فروخت مدرسہ کے احاطہ یا مدرسہ کے قریب ممنوع کر دی جائے۔

اخلاقی تعلیم اس تعلیم کا مقصد بچوں میں نیک عادتوں کا پیدا کرنا ہے یا بچوں کی سیرت سازی ہے۔ نیک عادتوں کا پایہ گھر ہی پر اولیاء کے زیر نگرانی بلکہ ان کے اچھے نمونوں پر رکھا جاتا ہے بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے محبت، دیانت داری، محنت، ایثار، سچائی اور اس قسم کی دوسری عادتوں کی داغ بیل گھر ہی میں ڈالی جاتی چاہیئے۔ اولیاء کو چاہیئے کہ بچوں کو قواعد و ضوابط کی تعمیل کرنے کا عادی بنایا جائے۔ مدرسہ کی روایات اور اس کے مفاد کا انہیں لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اولیاء کو چاہیئے کہ بچوں کو بپابندی وقت مدرسہ جانے کا عادی بنائیں۔

ذہنی تعلیم مدرسہ کی ذہنی تعلیم کو نہ صرف اہمیت حاصل ہے بلکہ عوام عموماً مدرسہ کے کاروبار کو ذہنی تعلیم ہی سے منسوب کرتے ہیں۔ اس تعلیم کے سلسلہ میں اولیاء کے چند اہم فرائض یہ ہیں۔

(۱) مدرسہ کے بعد یا مدرسہ جانے کے قبل بچوں کو گھر پہ مطالعہ میں مصروف رکھا جائے۔ (۲) بچوں کو کوئی ہوم ورک دیا گیا ہو تو اس کی تکمیل بچوں سے کروائی جائے۔ (۳) بچوں کی تعلیمی رپورٹوں کو دلچسپی سے دیکھا جائے اور حسب ضرورت توجہ دیکر بچوں کی تعلیمی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ (۴) مدرسہ کی تعلیمی یا علمی انجمنوں میں بچوں کو حصہ لینے پر متوجہ کیا جائے۔

بچوں کی جسمانی، اخلاقی اور ذہنی تعلیم میں اولیاء کو دلچسپی لینے اور مدرسہ کے ساتھ تعاون کرنے کی ضرورت ایک تو اس لئے ہے کہ بچے زیادہ وقت گھر پہ یا مدرسہ سے باہر گذارتے ہیں اور کچھ وقت مدرسہ میں۔ چنانچہ دن اور رات کے ۲۴ گھنٹوں میں صرف ۶ یا ۷ گھنٹے بچے مدرسہ میں گزارتے ہیں۔ علاوہ ازیں سال میں کئی تعطیلات ہوا کرتی ہیں اور یہ تعطیلات بھی گھر ہی پر گزاری جاتی ہیں۔ اس وجہ سے جو وقت بچے مدرسہ میں بسر کرتے ہیں اس میں اور بھی کمی ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ لازمی طور پر برآمد ہوتا ہے کہ مدرسہ کا اثر بچوں پر بمقابلہ گھر کے کم ہوتا ہے۔ لہذا اولیاء کا فرض ہے کہ خاص توجہ کرکے بچوں کی جسمانی، اخلاقی اور ذہنی تعلیم کو ترقی دیں اور اس طرح مدرسہ کے مقاصد کو آگے بڑھائیں۔ دوسرے یہ کہ غیر رسمی طور پر جو چیزیں سکھلائی جاتی ہیں اور جو عملی تربیت کی جاتی ہے ان کے حصول میں بار بھی کم محسوس کیا جاتا ہے اور نتائج یا اثرات دیرپا بھی ہوا کرتے ہیں۔ مدرسہ باوجود اصلاحی رجحانات اور جدید تنظیمات کے رسمی تعلیم سے تعلق رکھتا ہے اس کے برخلاف گھر کا تعلق تعلیم کے غیر رسمی ذریعوں سے ہے۔ اس لئے اولیاء کو چاہیئے کہ غیر رسمی طریقوں پر بچوں کی تعلیم کے مواقع جو انہیں حاصل ہیں ان سے استفادہ کرکے بچوں کی تعلیم کو ترقی دیں۔ تیسرے یہ کہ اولیاء اور بچوں کے تعلقات عموماً بلکہ بالکلیہ فطری ہوتے ہیں۔ مدرسہ بہترین کوششوں کے باوجود بھی طلباء اور اپنے باہمی تعلقات کو فطری نہیں بنا سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اولیاء اپنے بچوں کو تربیت اور تعلیم کی بنیادیں موثر اور مستحکم بناکر تعلیم اور تربیت کو بچوں کے لئے کامیاب کر سکتے ہیں۔ لہذا جب یہ مدرسہ کے ساتھ تعاون کریں گے تو دونوں کی کوششوں کا نتیجہ بچوں کے لئے سودمند ہوگا۔

متذکرہ ذمہ داریاں گو عام طور پر اولیاء پر عائد ہوتی ہیں لیکن جس طرح مدرسہ خاص مجبوریات کے تحت اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتا اور بری الذمہ قرار دیا جاکر دوسرے ذریعوں پر یہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اسی طرح خاص حالات کے تحت بعض اولیاء بھی اپنے فرائض کو انجام دینے سے مجبور ہو جاتے ہیں

ایسی صورت میں قوم اور ملک کا فریضہ ہے کہ اولیاء کی ذمہ داریوں کو کسی اور طرح یا ذریعہ سے پورا کرائیں لیکن چونکہ یہ خاص شکل ہوتی ہے اس لئے عام اور مسلمہ اصول یہی قرار دیا جاتا ہے کہ مدرسہ کے جسمانی، اخلاقی اور ذہنی تعلیم میں اولیاء کو مدرسہ کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔

مدرسہ اور اولیاء میں اشتراک عمل اس وقت ہی ممکن ہے جب کہ ایک دوسرے کو اپنا مدد و معاون سمجھے۔ تاریخی نقطۂ نظر سے بھی اور حقیقت میں بھی مدرسہ گھر سے نشو و نما پایا ہے اور اس کا تعلق گھر سے نہایت ہی قریب ہے۔ مدرسہ کو چاہیئے کہ اولیاء کی عملی ہمدردی حاصل کرے۔ ان پر واضح کیا جائے کہ ان کے بچوں کی آیندہ زندگی کی کامیاب تیاری مدرسہ کرتا ہے۔ اولیاء کے ہر جائز جذبہ اور تاثر کو، ان کے مقاصد اور روایات کو، مدرسہ کا فرض ہے کہ نہ صرف اچھی نظر سے دیکھے بلکہ اپنے اجتماعی مقاصد وغیرہ میں اولیاء کے انفرادی مقاصد کو مربوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ گو مدرسہ ایک خاص تعلیمی ادارہ کی حیثیت سے اور ماہرانہ انتظامات تعلیم کی بدولت تعلیمی رہبری کرنے کا پورا مستحق ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اولیاء کے مفید مشوروں کو گویا غیر فنی یا عامی ہی سہی اس لئے رد کر دیا جائے کہ اولیاء کو تعلیم کے فنی نکات سے واقفیت نہیں وہ اولیاء بڑی غلطی کرتے ہیں جو مدرسہ کے بارے میں عام بدظنی رکھتے ہیں۔ اس سے بچوں کا بھی نقصان ہوتا ہے اور مدرسہ کے کاموں میں رکاوٹ پیدا کیجاتی ہے۔ اگر کسی مدرسہ میں اصلاحات ضروری ہوں تو ان کو روبہ عمل لانے کے طریقے سمجھ اور صلاحیت پر مبنی ہوں۔ اولیاء کو نہیں چاہیئے کہ بلا وجہ اور ضرورت مدرسہ کے کاروبار میں دخل دیں۔ مدرسہ کے منتظمین اور معلمین کی تائید سے مدرسہ کے تعلیمی کام کو بہتر بنانا چاہیئے۔

مدرسہ اور اولیاء میں تعاون پیدا کرنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں جن میں سے حسب ذیل مفید اور ممکن العمل ہیں۔ (۱) اولیاء اور معلمین کی انجمنوں کا قیام۔ ان انجمنوں کا فرض مدرسہ اور اولیاء میں اشتراک عمل پیدا کرکے مدرسہ کے کام کو موثر اور بہتر بنانا ہے۔ (۲)۔ مدرسہ کے کھلے دن۔ جن میں اولیاء شریک ہوکر مدرسہ کے کاروبار کو چالو حالت میں دیکھ سکتے ہیں اور غیر رسمی طور پر تبادلہ خیال کر سکتے ہیں (۳) مدرسہ کی انجمنوں کے اجلاس میں بعض وقت اولیاء کو شریک ہونے کی دعوت دینا چاہیئے۔ (۴)۔ مدرسہ کے مکان، میدان، سامان وغیرہ مقامی مصروفیات کے سلسلہ میں استعمال کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اگر ان میں سے کسی چیز کو نقصان پہونچے تو اس کی تلافی کر دی جائیگی (۵)۔ مدرسہ کے سماجی مرکز کے مقصد

تعمیل اور اشاعت کی جائے (۶)۔ مدرسہ کے جلسوں میں اولیاء کو شریک ہونے کی دعوت دینا نہ کہ ایسے اشخاص کو جو مدرسہ سے غیر متعلق ہیں۔

آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری کہ مدرسہ اور اولیا کی عام ذمہ داریوں میں مقامی قومی یا مدرسہ کے خاص حالات اور ضروریات کی مناسبت سے ترمیم اور اصلاح کرنی چاہیئے تاکہ مرممہ یا اصلاح شدہ ذمہ داریوں کو روبہ عمل لانے سے حقیقی فائدہ حاصل ہو۔

اس مقالہ کے اختتام پر جلسہ برخواست ہوا۔

شام میں ۵ بجے مجلس استقبالی کی جانب سے محبوب باغ میں عصرانہ کا انتظام کیا گیا تھا جس میں صدر و ارکان کانفرنس نیز مقامی عہدہ دار و معززین مدعو کئے گئے تھے۔ یہ معاشرتی اجتماع بھی بہت کامیاب رہا اور باہمی ملاقات و تبادلہ خیالات کا موقع فراہم ہوا۔

اجلاسِ سوم

۲۰۔ دے ۱۳۵۲ف مطابق ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ موافق ۲۴ نومبر ۱۹۴۲ء کو صبح دس بجے تیسرا اجلاس شروع ہوا جناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر نے صدارت فرمائی۔ جناب منشی فاضل مولوی محمد شمس الدین صاحب نے تحریک ذیل پیش کی :۔

"ممالک محروسہ سرکار عالی میں منشی، منشی عالم، منشی فاضل کی تعلیم اور امتحانات کا انتظام باقی نہیں ہے جس کی وجہ سے اہلِ ملک کو بیرون ملک ان امتحانات کیلئے جانا پڑتا ہے۔

لہٰذا حکومت سے درخواست کیجاتی ہے کہ فارسی کے ان امتحانات کا انتظام فرمایا جائے اور ان کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے"۔

جناب ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ بہادر نے تائید کی اور تحریک بالاتفاق منظور ہوئی۔
اس کے بعد جناب ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ بہادر نے "فوجی تعلیم" کے موضوع پر ایک دلچسپ تقریر فرمائی۔

نواب صاحب کی تقریر کے ختم ہونے پر جناب پنڈت پانڈو رنگ راؤ صاحب نے مندرجۂ ذیل تحریک پیش کی۔

"یہ کانفرنس مکرر سرکار عالی کی توجہ اس امر پر مبذول کراتی ہے کہ ایک ایک زراعتی مدرسہ تلنگانہ، مرہٹواڑی اور کرناٹک علاقوں کے مزرعات کے ساتھ قائم کئے جائیں"۔

جناب دال چند کوٹھاری صاحب نے اس کی تائید کی۔ اور تحریک بالاتفاق منظور ہوئی۔

اس نوبت پر جناب مولوی غلام احمد خاں صاحب مہر مجلس پائیگاہ نے "قدیم قبائل کی تعلیم" پر ایک مقالہ سنایا جس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

قدیم قبائل کی تعلیم

جو مسائل عام طور پر تعلیمی پلیٹ فارم سے بحث میں لائے جاتے ہیں وہ نہایت اعلیٰ واقع ہیں یونیورسٹی کی تعلیم۔ صنعتی اور زرعی تعلیم۔ تعلیم ثانوی۔ شہری قصباتی اور دیہی نصاب تعلیم۔ طبقۂ اناث کی تعلیم کے مسائل یہاں تک کہ فوجی تعلیم۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم نے اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کی تعلیم کی طرف بہت کم خیال کیا ہے۔ جو ابھی تک اپنے معیار تمدن کے لحاظ سے زمانہ حجر میں ہیں۔ اس کو میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ جہاں اہم مسائل تعلیمی پیش ہیں رہاں میں ان غریب لوگوں کی ذہنی اور معاشی ترقی کے نسبت آپ کی توجہ مبذول کرا رہا ہوں۔ اگر تمام مسائل تعلیم کے عنوانات پر غور کیا جائے تو میرے خیال میں غالباً یہی ایک میدان ہے جو اب تک پامال نہیں ہوا ہے۔ اور یہ قرعہ میرے نام نکلا ہے کہ میں اس بحث کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ اس سال کے موازنہ میں ایک لاکھ روپیہ قدیم قبائل کی تعلیم و ترقی کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ زرین موقع ہے کہ ہماری ریاست ابد آیت کو جو خصوصیات حاصل ہیں ان کے لحاظ سے یہاں بھی اقدام عمل کیا جانا چاہیئے۔ صوبہ جات متوسط میں مسٹر وریر الون نے گونڈوں کی ترقی میں ایک ادارہ قائم کیا ہے جو (عمومی حق سیوا منڈل) سے موسوم ہے مجھے ہمارے وزیر تعلیمات سے توقعات ہیں کہ وہ بھی ضرور اس معاملہ میں اپنی فوری توجہ مائل فرمائیں گے۔ اور برٹش انڈیا میں جو کام ہوا ہے ان کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہاں بھی عملی کام آغاز کیا جائے گا۔

جو حضرات ماہرین تعلیم ہیں وہ متمدنہ طبقہ کے لئے کوئی صحیح طریقہ تعلیم اب تک متفقہ طور پر مقرر نہیں کر سکے۔ تو بھلا جنگلی قبائل کے لئے ایسی کوئی تجویز مقرر کرنا کس قدر مشکل ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اب تک ماہران علم الانسان نے بھی اس طرف اپنی توجہ کو مائل نہیں کیا ہے اس سال کے موازنہ میں جنگلی قبائل کی ترقی و تعلیم کے لئے ایک لاکھ روپیہ رکھا گیا ہے۔ اس لئے

ارباب فکر وغور کے لئے میں چند واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی عملی تجویز پیش کرنا میری بساط سے باہر ہے۔ میرا فرض صرف یہ ہے کہ ان جنگلی قبائل کے حالات کو آپ کے سامنے پیش کر دوں تاکہ ارباب فن کوئی مناسب تجویز مرتب کریں۔ مجھے ان سے اتنی دلچسپی ہے کہ جو موقع مجھے ملتا ہے میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ بقول کہ "حکایت"۔

ازقدآں یار دل نواز کنیم   باین فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

گرافٹن صاحب نے اپنے رخصتانہ ایڈریس میں بیان کیا تھا کہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ (Mary [illegible] S-cots) دل پر لفظ (Calais) کندہ ہوگیا تھا اسی طور پر انہوں نے کہا کہ میرے دل پر بھی لفظ چینچو کندہ ہے۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں یوں تو بہت سے قبائل ہیں لیکن ان میں سے اپنے قدیم طریقہ زندگی کو قائم رکھنے والا طبقہ صرف ایک ہی باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ بیچارے چینچو ہیں۔ جو جنوبی حصہ میں واقع ہیں یہ لوگ ابھی تک حجر جدید کی (Neo-lithic) حالت میں سمجھے جاتے ہیں۔ عصر حجر کے دو حصہ کئے گئے ہیں۔ ایک قدیم اور ایک جدید یہ تقسیم اور ان میں امتیاز سب قیاسی ہے۔ (Pre-History) قبل تاریخی زمانہ میں جب قدم رکھا جاتا ہے تو ہر قدم مبحث فیہ ہو جاتا ہے۔ بہرحال موٹی بات یہ ہے کہ چینچو ابھی تک (Pastoral) چرواہے کی حالت میں بھی نہیں آئے۔ ضلع عادل آباد کے گونڈ ضلع کریم نگر کے گویا لوگ زراعت کرتے ہیں یا زرعی مزدور ہیں لیکن بیچارے چینچو زراعت تو کجا بیل کو رسی سے باندھنے کے لئے بھی ڈرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی جنگلی پھل اور جڑوں پر بسر کرتے ہیں ان کے لئے کس قسم کی تعلیم تجویز کی جائے۔ میرے اس مختصر سوال سے آپ کو اس کی مشکلات کا اندازہ ہوگا۔ نیم فاقہ لڑکے لڑکیوں کو حروف تہجی اور علم حساب یا جغرافیہ سکھانا کس قدر مفید ہوگا غور طلب ہے نصاب تعلیم اپنے ماحول کے لحاظ سے مقرر ہونا چاہیئے۔ تعلیم کا حقیقی مقصد انسان کا ارتقاء معاشی و ذہنی لحاظ سے ہے۔ اسی کلیہ کے تحت ہم کو ان قبائل کے متعلق تجویز کرنا ہے لیکن ساتھ ہی ایک توام سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس تعلیم کا نصب العین کیا ہوگا۔ ان کو اپنی قدیم حالت میں رکھکر ان کی بہتری کی تجویز کی جائے یا یہ کہ ان کی حالت کو جلد سے جلد بدل کر معمولی دیہاتوں کے معیار پر ان کو لایا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس وقت اور فوری توجہ نہ کیجائے تو یہ چند سو افراد جو باقی رہ گئے ہیں زمانہ قریب میں ہاتھ سے جاتے رہیں گے یا تو یہ مرجائیں گے جیسا کہ گذشتہ دس سال میں ہوا ہے یعنی ان کی تعداد جو اب چار سو کے قریب ہے وہ آدھی کم ہوگئی ہے

یا یہ کہ وہ اپنے رسم و رواج کو چھوڑ کر معمولی دیہاتی طرز معاش اختیار کریں گے جیسا کہ میدان کے
باکرنول کے چینچو ہو گئے ہیں۔ بہرحال سائنس کو جو فائدہ اٹھانا ہے وہ مفقود ہو جائے گا چنانچہ جزیرہ تسمینیا
(Tasmania) کی مثال موجود ہے کہ (1876) میں آخری ہستی جو قدیم اقوام کی تھی وہ
فوت ہو گئی۔ اور اب کوئی نمونہ باقی نہیں رہا یہ واقعہ موجود ہے (belity settlers) حکومت پر
سیاہ عکس ڈالتا ہے۔ اگر ہم غفلت کریں گے تو ہم پر بھی یہی عکس غفلت کا عائد ہو گا۔ اور ہم کو کفِ افسوس ملنا
پڑے گا ایک بڑا الزام ماہران علم الانسان (Anthropologists) پر یہ ہے کہ وہ قدیم اقوام کو
اپنے فائدہ کے لئے نمائشی آلہ بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ (Todas) کی ایک بین مثال ہے جو
ٹوڈے گورنمنٹ ہاؤس نیلگری میں بطور نمائش کے رکھے گئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ہر تصویر کے دو پہلو
ہوتے ہیں ایک پہلو تو یہ تھا جو آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ دوسرا سائنٹفک پہلو یہ ہے کہ ابھی ہم کو ان
قدیم قبائل کے رسم و رواج اور ان کے طرز زندگی سے بہت کچھ حاصل کرنا ہے۔ مثلاً حال ہی میں میں نے
ٹون ہال میں بہ سرپرستی جامعہ ایک تقریر ان چینچوؤں پر کی تھی تو میں نے بتلایا تھا کہ یہ لوگ اپنی جسمانی ساخت
کے لحاظ سے (Australians) اسٹریلیا کے گروپ میں شامل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جسمانی ساخت کے
علاوہ ان کے ٹوٹم (totems) کی اور رسم و رواج کی مطابقت یا مخالفت اسٹریلین گروپ
سے کرتا ہے۔ اگر یہ پہاڑی چینچو چند سال میں اس ریاست سے مفقود ہو جائیں تو کوئی ذریعہ ہمارے پاس
اپنے علم کو بڑھانے کا باقی نہیں رہے گا۔ یہ آپ کو معلوم ہے دنیا کی یہ بدقسمتی ہے کہ خود انسان سے جو علم متعلق
ہے وہ سب سے عمر میں کم ہے۔ جو علم ________ من عرف نفسہ فقد عرف
ربہ سے متعلق ہے۔ اس کی نسبت بڑی غفلت کی گئی ہے۔ یہ پس منظر آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے،
اس کو سامنے رکھنے کے بعد ان قبائل کے بقاء اور ان کی ترقی کے نسبت غور کیا جانا چاہیئے۔ بڑے
بڑے اعتراضات کا مورد ہوتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اول ان کی صحت کی حفاظت کی جانی
چاہیئے۔ یہ مرض ([illegible]) میں مبتلا ہو رہے ہیں ان کی غذا بہت کم ہو رہی ہے۔ سررشتہ جنگلات
اور سررشتہ آبکاری کا سلوک ان کے ساتھ ان کے حالات کے مطابق نہیں ہے۔ وہ ایک ہی قانون کو
ان کے ساتھ بھی استعمال کرتے ہیں۔ جب ان کے لئے کوئی غذا مہیا ہو جائے اور ان کی صحت کچھ کام کرنے
کے قابل ہو جائے تو ان سے بانس کی بنوٹ کا کام لیا جا سکتا ہے بعض صحرائی پیداوار مثلاً شہد سازی

ان کے علاقہ میں رائج کیجا سکتی ہے ان کے رسم و رواج کو بدستور قائم رکھکر ان کی جان کی حفاظت کے تدابیر اختیار کرنا ہی ان کے ترقی کے تدابیر ہیں اور کچھ دستی کام ان کو سکھائے جا سکتے ہیں جن کے تبادلہ سے یہ غلہ حاصل کر سکیں جس سے ان کی غذا میں اضافہ ہو اور اموات میں کمی واقع ہو۔ اپنے طرز معاشرت و رسم رواج کو یہ بدستور قائم رکھیں تو (Anthropology) کو راست اور دنیا کی مجموعی طور پر فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت انسان کی ترقی کے لئے فطرت نے بچہ کو ایک اہم آلہ بنایا ہے۔ بچہ کا کام نشو نما حاصل کرنا ہے اور اپنے (growth) کے زمانہ میں ہر لحظہ اور ہر منٹ وہ آئندہ نسل کی بنیاد قائم کر رہا ہے۔ بچہ کی مثال زمانہ جاہلیت کے غلام سے دیجا سکتی ہے۔ والدین اور استاد کو ہمہ قسم کے حقوق اوس پر حاصل ہیں لیکن بدنصیبی سے اسے خود کوئی حقوق حاصل نہیں ہیں بچہ کے ہر فعل اور اوسکی ہر ایک حرکت ہم عمر رسیدہ لوگوں کی مرضی کے تابع سمجھی جاتی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بچہ ایک بے حس اور عقل سے محروم ہستی ہے لیکن ہم کو اس کا اندازہ نہیں ہے کہ یہی بچہ جس پر ہم اپنے پورے اقتدارات استعمال کرتے ہیں وہ آیندہ بنی نوع انسان کی ترقی کا باعث ہے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا ہے۔ صدہا بچے ان قدیم اقوام کے ایسے ہیں جن کی ترقی کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ میں پھر خاتمہ پر ہمارے سررشتہ تعلیمات اور سررشتہ مالگذاری سے متوقع ہوں کہ موازنہ میں جو رقم رکھی گئی ہے اوس سے کماحقہٗ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کیجائے گی اور (C. P.) کے حالات کے مطالعہ کے بعد کوئی مناسب تجویز جلد مرتب کی جائے گی۔ جو حالت میں نے اس قدیم قبائل کی زندگی کی آپ کے سامنے پیش کی ہے وہ کس قدر عبرتناک ہے۔ ایک طرف تو حضرت انسان نے فضا پر اتنا عبور حاصل کیا کہ دنیا سے فاصلہ مفقود ہو گیا ہے۔ آسمان کے پردوں تک حضرت انسان کی پہونچ ہو چکی ہے جیسے کہ ایک زنجیر کی مضبوطی کا اندازہ اوس کی ہر کڑی سے کیا جاتا ہے اور ایک بھی ضعیف کڑی اوس میں ہو تو پوری زنجیر بیکار ہے اسی لحاظ سے بنی نوع انسان کے حلقہ کڑیوں پر ہم غور کریں تو ہم کو خود ہمارا ضعف ظاہر ہوگا (Sir James Jeans) کے ساتھ جب وہ یہاں آئے تھے مجھے سفر کرنے کا موقع ملا انہوں نے دنیا کی عمر کو استعارۃً اس طور پر بیان کیا کہ اگر دنیا کی عمر (Cleopatras needle) کی سمجھی جائے جو ستر فیٹ بلند ہے اور اس پر ایک پیسہ رکھا جائے تو یہ زمانہ انسان کے موجودہ تمدن کا ہے اور دنیا کی آئندہ عمر پورے عمود کے مطابق ہو سکتی ہے تو اس سے اندازہ فرمائیے کہ حضرت انسان کی دنیا میں ترقی کا کیا معراج ہو سکتا ہے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گزشتہ سال ہی

دنیا نے قوی فطرت پر قبضہ حاصل کرنے میں جو ترقی کی ہے وہ گزشتہ دو ہزار سال میں کبھی نہیں ہوئی تھی آئندہ سو سال ہی کا اندازہ ہمارے لئے کافی ہے۔ لیکن گزشتہ سو سال کی ترقی کا نتیجہ کیا ہوا؟

ایک طرف یہ جنگلی قبائل اپنی کس مپرسی کی حالت میں موجود ہیں دوسری طرف حضرت انسان اپنے جلب منفعت کے لئے بہترین سائنٹفک آلات استعمال کر کے دربار کے خون بہا رہا ہے "فاعتبروا یا اولی الابصار"۔

اس مضمون کے ختم ہونے کے بعد جناب ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ بہادر نے مندرجۂ ذیل تحریک پیش کی۔

"اس کانفرنس کی رائے میں اسکاؤٹنگ تمام مدارس میں جملہ طلبہ کے لئے لازمی قرار دینا ضروری ہے۔ اس کے لئے مکرر سرکار عالی کی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے"۔

یہ تحریک بالاتفاق منظور ہوئی۔

اس نوبت کارروائی پر جناب مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے ایک مضمون "**نسوانی تعلیم اور اس کے نصاب**" پر سنایا۔ یہ مضمون ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

نسوانی تعلیم اور اس کا نصاب

آج سے ۲۸ سال پیشتر جب کہ ۲۷ فروردی ۱۳۲۴ ف کو اسی کانفرنس کا پہلا اجلاس ٹاؤن ہال باغ عامہ میں منعقد ہوا تھا تو اس کے صدر حیدری صاحب مرحوم جو اس زمانہ میں معتمد عدالت و کوتوالی تعلیمات و امور عامہ کی کرسی پر متمکن تھے اپنے صدارتی خطبہ میں تعلیم نسوان کے متعلق حسب ذیل صراحت خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔

"یہ وقت تعلیم نسوان کے فوائد اور نقصانات پر بحث کرنے کا نہیں ہے بحثوں کا وقت گزر گیا، اب عمل کا زمانہ ہے ہمیں اب کچھ کر کے دکھانا ہے جو مشورہ کی اصلاح اور آئندہ کی فکر ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ وقت لاطائل بحثوں میں گزر جائے اور ہمیں آئندہ نسلوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے مجھے یہ ذکر کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس ملک میں خواندہ عورتوں کی تعداد دس ہزار میں صرف ۴۰ ہے اور اگر بلدہ کو خارج کر دیا جائے تو یہ تعداد فی ہزار ۲ رہ جاتی ہے جو نہایت قابل افسوس ہے۔

کانفرنس کو یہ امر مدنظر رکھنا چاہیے کہ وہ اگر اپنے ملک کو تعلیم یافتہ بنانا چاہتی ہے تو تعلیم نسواں کی سب سے زیادہ فکر کرے۔"

اس اقتباس سے واضح ہے کہ آج سے ۲۸ سال پیشتر ہمارے یہاں تعلیم نسواں کی کیا حالت تھی ممالک محروسہ سرکار عالی میں ۱۳۲۰ف ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے بموجب کل خواندہ عورتوں کی تعداد صرف (۲۰۸۷۳) تھی اور کل مدارس نسواں کی تعداد (۷۹) تھی اس میں سے (۳۷) سرکاری مدرسے اور (۴۲) امدادی اور خانگی مدرسے تھے اور طالبات کی تعداد (۵۶۱۸) تھی حیدرآباد کے سب سے بڑے زنانہ مدرسے یعنی نامپلی ہائی اسکول کے تینوں درجوں تحتانی، وسطانی اور فوقانی میں کل طالبات کی تعداد (۹۴) تھی۔ یہ ہے ہماری ۲۸ سال پیشتر کی داستان ہے۔ سرکار عالی کا سب سے پہلا مدرسہ نسواں ۱۲۹۱ف میں قائم ہوا تھا۔ اس طرح (۱۳۳) سال کی طویل مدت میں صرف (۷۸) مدرسوں کا اضافہ ہوا تھا۔

آج ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب ہمارے یہاں تعلیم نسواں کو خاصی ترقی ہوئی ہے اس کا اندازہ آپ ذیل کے اعداد و شمار سے کر سکتے ہیں۔

۱۳۵۰ف ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے بموجب اب خواندہ عورتوں کی تعداد (۱۰۷۱۷۱) ہے یا بالفاظ دیگر فی ہزار نفر تقریباً (۱۱) عورتیں تعلیم یافتہ ہیں ۱۳۵۰ف کی اعداد کے لحاظ سے اور ہر خواندہ نوسو مردوں کے مقابل میں (۸۱) عورتیں لکھی پڑھی ہیں تحتانی مدرسوں کی تعداد ممالک محروسہ میں (۷۹۹) ہے جس میں (۸۰۵۵۶) طالبات زیر تعلیم ہیں۔ اس تعداد میں کالجوں میں تعلیم پانے والی طالبات شامل نہیں ہیں ۱۳۴۹ف میں مدارس (۷۶۶) طالبات (۷۵۰۹۶)۔ (۶۳۳۰) مدارس اور (۵۰۰۰) سے زیادہ طالبات اس سال میں زیادہ ہوئی ہے۔

ہمارے زنانہ کالج میں اس وقت تقریباً (۲۵۰) طالبات اور نظام کالج اور میڈیکل کالج میں جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے ان کی تعداد تقریباً (۵۰) ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں تعلیم نسواں کا نہ صرف رواج دن بدن زیادہ ہوتا جا رہا ہے، بلکہ تعلیم نسواں کا شوق بھی روز افزوں ہے لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب تعلیم نسواں کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس امر کی کوشش ہونی چاہیئے کہ ہمارے یہاں تعلیم عام ہو جائے ہمارے ملک کی ہر عورت خواندہ ہو ظاہر ہے اس کے لئے ایک مدت درکار ہے لیکن جب تک عام دلچسپی

اور کوشش نہ ہو ایسی ترقی نہیں ہو سکتی سرکار عالی کے حکومت کے ساتھ ساتھ ہر فرد بشر کی یہ کوشش اور سعی ہوتی چاہیئے کہ ہمارے یہاں کوئی عورت غیر تعلیم یافتہ نہ رہے اگر محلہ کے افراد فرداً فرداً بھی ایک دو عورتوں اور لڑکیوں کو معمولی نوشت و خواند کی تعلیم دیں تو اس سے بہت کچھ مفید نتائج پیدا ہو سکتے ہیں

کسی ملک میں یہ نہیں ہوتا کہ ملک کی تمام عورتیں اعلیٰ تعلیم پائیں بلکہ ابتدائی تعلیم عام ہوتی ہے۔ اور ہم کو اس جانب زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

خصوصیت کے ساتھ ضلع گلبرگہ شریف کے باشندوں کو اس کی جانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہے کیونکہ بہ نسبت دیگر اضلاع کے یہاں کا تناسب بہت کم ہے۔ ذیل کے اعداد سے اس کی وضاحت ہو سکتی ہے

بلدہ حیدرآباد	(۴۳) عورتیں فی (۱۰۰) مرد	تلنگنڈہ	(۱۶) عورتیں فی (۱۰۰) مرد۔
اطراف بلدہ	(۹) ” ”	اورنگ آباد۔	(۱۴) ” ”
باغات	(۱۳) ” ”	بیڑ	(۱۷) ” ”
ورنگل	(۱۷) ” ”	ناندیڑ	(۱۵) ” ”
کریم نگر	(۱۲) ” ”	پربھنی	(۱۲) ” ”
عادل آباد	(۱۰) ” ”	گلبرگہ	(۱۲) ” ”
میدک	(۱۱) ” ”	عثمان آباد	(۱۲) ” ”
نظام آباد	(۱۴) ” ”	رائچور	(۹) ” ”
محبوب نگر	(۱۳) ” ”	بیدر	(۱۳) ” ”

بہرحال سرکار کی جانب سے تعلیم نسوان کی ترقی کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جب تک سرکار کے ساتھ ساتھ عامہ پبلک متوجہ نہ ہو ہمارے یہاں تعلیم نسوان میں ترقی نہیں ہو سکتی پبلک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرض کی ادائی کیجانب متوجہ ہو اور پوری کوشش کریں۔

اب میں نصاب نسوان کے متعلق صراحت کرتا ہوں ہمارے لڑکیوں کو تقریباً وہی تعلیم دیجاتی ہے جو ہمارے لڑکوں کو دیجاتی ہے ابتدا سے لیکر انتہا تک تحتانی جماعتوں سے لیکر کالج کی اعلیٰ جماعتوں تک تقریباً ایک ہی نصاب ہے اب امور خانہ داری بالخصوص سائنس کی تعلیم کا آغاز ہو گیا ہے مدارس وسطانیہ اور فوقانیہ کے علاوہ کالج میں بھی ڈومسٹک سائنس کی تعلیم کا انتظام ہے اور اختیاری طور پر اس کو دوسرے

علوم کے ساتھ لیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں بلا خوف تردید یہ کہوں گا کہ ہمارا موجودہ نصاب تعلیم اور ہمارا موجودہ طریقۂ تعلیم ایسا نہیں ہے کہ جس کی بنا پر ہم مشرقی اور مغربی اعلیٰ محاسن سے متمتع ہو سکیں ہمارا نصاب ہماری درد کی دوا نہیں ہو سکتا۔ ہماری عورتوں کے نصاب میں تقریباً وہی چیزیں داخل ہیں جو ہمارے مردوں کے نصاب میں شامل ہیں حالانکہ دونوں میں فرق ہونا چاہیئے۔ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر ایک نہیں سینکڑوں مرتبہ اعلیٰ ترین ماہران تعلیم اور علمائے نفسیات و عمرانیات نے روشنی ڈالی ہے اور مردوں اور عورتوں کے نصاب تعلیمی کو جدا رکھنے پر زور دیا ہے، لیکن دراصل یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اب بھی وہاں ہیں جہاں پہلے تھے۔

ہمارے لئے ایسے نصاب کی ضرورت ہے جس سے ہماری بہنیں مشرقی اور مغربی تمدن اور تہذیب کی خوبیوں اور برائیوں کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں، ہماری بہنیں تاریک خیالی توہم اور جہالت کے بھنور سے نکل آئیں تو اس کے ساتھ ہی ان میں کامل صحت بدن کی پوری چستی اور دماغ کی تر و تازگی بھی باقی رہے، ایک ایسے نصاب کی ضرورت ہے جس سے خواتین کے ذہنی قویٰ مجلا ہو جائیں تو ساتھ ساتھ ان کے نسوانی جذبات بھی اپنے پورے شباب پر قائم رہیں۔ اسکول اور کالج میں ان کی تعلیم اور تربیت کچھ اس ڈھنگ سے ہو کہ ماں بننے کے بعد وہ اپنے بچوں کی اس طرح دیکھ بھال کریں کہ یہی بچے آگے چل کر ایک اعلیٰ تہذیب کی کامل حفاظت کر سکیں۔ مذہب، اخلاق، معاشیات، امور خانہ داری، تربیت اولاد، حفظان صحت اور موسیقی کو عورتوں کے نصاب میں خصوصی درجہ حاصل ہونا چاہیئے۔ بلاشبہ یہ مضامین ایک حد تک شریک ہیں۔ لیکن ان کے متعلق کتب نصاب مرتب کرنے میں عورتوں کے مخصوص ضروریات کا خاص لحاظ ہونا چاہیئے کتب نصاب کی زبان اسلوب بیان اور طرز استدلال سب میں نسوانیت کے عنصر کو غالب رہنا چاہیئے۔ ہم کو معلوم ہے کہ ہمارے لڑکے مذہبی تعلیم سے جی چراتے ہیں اور اس کو غیر ضروری تصور کرکے پس و پشت ڈالتے ہیں۔ نہیں معلوم اس بارے میں ہماری بہنوں کی کیا حالت ہے۔ بظاہر ان سے بھی یہی توقع کی جانی چاہیئے جو لڑکوں سے ہے، یہ امر مسلمہ ہے کہ جس وقت تک تعلیم میں مذہب اور اخلاق کا جزو غالب شریک نہ ہوگا اور مشرقی بہترین اخلاق کی تعلیم نہ ہوگی۔ اس وقت تک مغربی آزادی کے مقابل مشرقی عفت و عصمت کی حفاظت قطعاً نہ ہو سکے گی۔ عفت و عصمت تو خیر خدا شناسی بھی باقی نہ رہے گی یہ تو مذہب کے متعلق ہوا۔ معاشیات اور امور خانہ داری کے متعلق واضح ہو کہ مالدار خواتین یورپ جہاں دنیا بھر کے اسراف کرتی لہو و لعب میں شریک ہوتی۔ فیشن پر ہزاروں روپیہ صرف کرتی ہیں وہاں ایسی خواتین کی بھی اکثریت ہے جو آمدنی اور خرچ

متوازی رکھنے میں اپنی پوری قوت صرف کرتی ہیں۔ کفایت سے خرچ کرنا اور پس انداز کرنا ان کی زندگی کا لازمہ ہے۔ وہ گھر کے کاروبار میں اصول معاشیات کو پوری طرح کام میں لاتی ہیں۔ افسوس ہے ہماری بہنیں اس پر کاربند نہیں ہوتیں۔ خواتین یورپ کی طرح فیشن کی تو پابندی کریں گی۔ مگر ان کے اصول معاشیات خانہ داری کو نظر انداز کر دیں گی۔ ضرورت اس کی ہے کہ آمدنی اور خرچ کو متوازی رکھنے کے اصول بچپن ہی سے لڑکیوں کے ذہن نشین کرائے جائیں۔ اور پس انداز کرنے کے عملی طریقوں سے ان کو پابند کرایا جائے۔

یورپ کی ایک عورت جس طرح موٹر ریس میں نام کمائے گی اور پرواز ی میں شہرت حاصل کریگی وہاں امور خانہ داری کو انجام دینے میں بھی اس کو پورا ملکہ حاصل ہوگا۔ کیا ہماری عورتیں اس پر کاربند ہیں؟

تربیت اولاد کا جو سلیقہ یورپ کی عورتوں نے حاصل کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ گھر میں ابتداً اولاد کی جو تربیت ہوتی ہے اس کا نتیجہ ہے کہ یورپ کی سربرآوردہ ہستیاں چار دانگ عالم میں اپنی قابلیت کا سکہ بٹھانے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں اس کے مقابل ہماری جو حالت ہے وہ بھی روز روشن سے کم نہیں۔ اصول حفظانِ صحت سے واقف نہ ہونے کے جو نتایج آج عام طور سے ہندوستان میں نظر آتے ہیں یہ بھی محتاج توضیح نہیں۔ اطفال کی اموات کی جو کثرت ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اصول حفظان صحت سے واقفیت کا کیا حال ہے۔ ہماری تہذیب رفتہ کے لحاظ سے ہر خاتون بچوں کی گھٹی اور بڑوں کے جوشاندوں سے واقف ہوتی تھیں اس سے جو فوائد تھے وہ بہت تھے۔ جدید رنگ میں رنگے جانے کے شوق نے افسوس ہماری خوبیوں کو بے رنگ کر دیا۔

موسیقی جیسی غذائے روحانی سے اب بھی بے اعتنائی برتی جاتی ہے انسان کے جذبات لطیف میں توازن قائم رکھنے کے لئے اس کی جس قدر ضرورت ہے۔ وہ خود ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں گھر کی بیگم کا اس سے واقف نہ ہونا کس قدر تعجب خیز ہے۔

ان چیزوں کا ہماری عورتوں کے نصاب تعلیم میں اس طور سے شامل ہونا ضروری ہے کہ ان کا افادہ عام ہوجائے تاکہ اگر وہ ایک طرف مغربی تمدن اور تہذیب سے واقف ہوکر آزاد ہوجائے تو دوسری طرف مذہب کے پاکیزہ اصول سے واقف ہوکر اپنی آزادی کو اس طور سے کام میں لائے کہ قدیم مشرقی عفت وعصمت کو چار چاند لگ جائیں اگر ایک طرف تمدن یورپ کے اثر سے نازکی اور

رعنائی کے جدید آئین اختیار کرے تو وہیں اصول معاشیات کو بھی نظر انداز نہ کرے۔ اگر ایک طرف کھیل و تفریح کے میدان میں گوئے سبقت لیجانے لگے تو دوسری طرف امور خانہ داری اور تربیت اولاد کے جوگر ہیں ان سے بھی واقف ہوجائے۔ اس کے علاوہ صنعتی تعلیم بھی ہے جو موجودہ زمانہ کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔ اس پر فوری توجہ ہونی چاہیئے۔

تعلیم نسواں کا جو ذوق و شوق اس وقت ملک کے گوشہ گوشہ میں پیدا ہوچکا وہ ابھی اپنے ابتدائی زینہ پر ہے، ضرورت ہے کہ ابھی سے اس کو اس سانچہ میں ڈھالا جائے کہ ملک کی حقیقی ضرورتوں کا انطباع عمل میں آسکے۔ ماماگیری، آیاگیری، معلاقی گیری، مالنی وغیرہ جیسے خالص نسوانی پیشوں کو نظری اور عملی تعلیم کے زیر اثر لایا جائے۔ ہمیں اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ تعلیم کا وہ کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس کی بدولت ہر پیشہ کے مرد کو اس کی شریک زندگی سے اپنے پیشہ کے کاروبار میں حقیقی امداد اور اعانت حاصل ہوسکے۔

اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ ہماری بہنیں پان چبا کر مسی کی دھڑی جما کر کاجل آنکھوں میں مل کر چراغ خانہ ہی رہیں بلکہ اب وہ زمانہ ہے کہ نئی روشنی میں جدید وضع میں جلوہ گر ہوں مجھے ان کے اس خیال سے اختلاف نہیں ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کے ساتھ کچھ اس کا بھی سامان مہیا ہوتا ہے یا نہیں کہ ہماری اس سرزمین کے لائیڈ جارجوں کو وجود میں لائیں اور مسٹر چرچل کو پیدا کریں اور مصطفیٰ کمالی اور عصمت بھی جلوہ نما ہوں۔ ماؤں کے دودھ سے ہی بچے کی سرشت میں علم و عرفان کا خون ساری ہوجائے۔ بلند اخلاق اور اعلیٰ تہذیب کا نمونہ ماؤں کی گود سے ہی نظر آنے لگے، محبت اور ملنساری کا سبق بھی وہیں مل جائے۔

مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری موجودہ تعلیم، موجودہ تربیت اور موجودہ نصاب تعلیم ہم کو اسی راہ پر لے چل رہا ہے کہ ہماری مشرقی شرم و حیا کی اعلیٰ اور بہترین روایات مغربی رعنائی اور دلربائی کی بدل ہوجا رہی ہے۔ جس کا انسداد فوری ضروری ہے۔

اچھی تعلیم اچھی معاشرت کا اصل مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ان سے اپنی حقیقت پہچانتے ذاتی پسندی اور خود پرستی کے گروپ سے نکل کر عام انسانی موالات اور خدمت خلق کا وہ جذبہ پیدا کرے جس کی بدولت انسانی روح اس اوج اور رفعت پر پہونچ جائے جہاں رنج و الم فکر اور کدورت کی کوئی

صورت نظر نہیں آتی۔

اس مضمون کے سنائے جانے کے بعد جناب مولوی احمد عبدالعزیز صاحب ایم اے لکچرار انٹرمیڈیٹ کالج گلبرگہ نے انسداد بے روزگاری کے بارے میں ایک مقالہ سنایا۔ یہ مقالہ ذیل میں درج ہے۔

"تجاویز انسداد بیروزگاری سلطنت آصفیہ"

قبل اس کے کہ میں تجاویز انسداد بیروزگاری کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں میں ان تمام اراکین مجلس انتظامی ایجوکیشنل کانفرنس کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے مجھے اس عظیم الشان اہل علم کے مجمع میں بیروزگاری جیسے تجارد ار مسئلہ کے اسباب اور اس کے انسداد کی تدابیر پر اپنے خیالات و افکار کو ظاہر کرنے کا مسرت بخش موقع مرحمت فرمایا۔

حضرات! سلطنت آصفیہ میں بیروزگاری کا مسئلہ دن بدن نمایاں اور نازک صورت اختیار کرتا جارہا ہے، ملک کی کثیر آبادی زراعت پیشہ ہے جب کبھی امساک باراں کی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو زراعت پیشہ آبادی قحط غلہ کی مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے اس مصیبت کو دور کرنے کی غرض سے حکومت کو انسداد قحط کی تجاویز پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے تاکہ بے روزگار زرعی مزدوروں کے لئے کام مہیا کیا جائے اور اس طرح ان کے لئے قوت لایموت کا انتظام کرکے ملک کو لوٹ مار، تنگری اور ہنگاموں سے محفوظ رکھا جائے، اس کے علاوہ جہاں تک دستی صنعت کا تعلق ہے دستکاروں کی ملکی مصنوعات کی کمی کی وجہ سے بیروزگاری کا مسئلہ صناع اور اہل حرفہ کے طبقہ میں بھی کافی پریشان کن صورت اختیار کر چکا ہے، جس کے مناسب حل کے لئے حکومت سرکار عالی گھریلو صنعتوں کی ترقی کی قابل عمل اسکیم کے متعلق سنجیدگی سے غور کر رہی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس مسئلہ کے خاطر خواہ حل کی جانب کوئی مناسب قدم مستقبل قریب میں اٹھایا جائے۔ کاشتکاروں اور دستکاروں کے علاوہ ایک اور طبقہ تعلیم یافتہ بیروزگاروں کا بھی ہے جو حکومت سرکار عالی کا مرکز توجہ بنا ہوا ہے اور جس کے مسائل روزگار کو حل کرنے کے لئے نظام تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور ایک حد تک اس تبدیلی اور تغیر پذیری کا آغاز بھی ہو چکا ہے، مضمون زیر بحث میں زیادہ تر تعلیم یافتہ متوسط طبقہ کی بے روزگاری کے اسباب اور تدابیر انسداد کی تفصیلات پر سامعین کرام کی توجہ کو منعطف کرانے کی

کوشش کی جائے گی مخفی مباد کہ ممالک یورپ میں صنعتی بے روزگاری کا مسئلہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے لیکن ہندوستان و سلطنت آصفیہ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ بیروزگاروں کا مسئلہ بے حد اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے جو کہ زیادہ تر ایک صدی سے زائد مروجہ نظام تعلیم کا نتیجہ ہے، جہاں تک بے روزگاری کے اسباب کا تعلق ہے سب سے پہلا سبب ملک کی معاشی افتادہ حالت ہے، محض صنعتی و حرفتی تعلیم کا انتظام کافی نہیں ہے کیونکہ جب تک ملک کی معاشی ترقی کے لئے موثر تدابیر اختیار نہ کیجائیں، عام تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے ساتھ ہی ساتھ صنعتی تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد بھی بڑھتی جائے گی، ملک کی صنعتی پستی بے روزگاری کے جملہ اسباب کی جڑ ہے دوسری وجہ نظام تعلیم کی قابل اصلاح حالت ہے موجودہ حالات کے لحاظ سے ملک کا نظام تعلیم صنعتی اور زرعی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا جانا چاہیئے، محض اہلکارانہ خدمت کے لئے ہونہار طلبہ کو تیار کرنا کوئی مستحسن فعل تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تیسری وجہ ذات پات کی قیود کی موجودگی ہے۔ ذات پات کا طریق پیشوں کے انتخاب میں آزادئ عمل کا موقع نہیں دیتا۔ چوتھی وجہ جذبۂ معاشی قومیت کی ترقی ہے جس کی بناء پر ہر مہذب ملک اپنے مصنوعات کی ترقی کی خاطر غیر ملکی ارزاں مصنوعات پر محصول تامین عائد کر کے تجارت کی آزادی پر ضرب لگا رہا ہے یعنی ہر ملک اپنی ضروریات کی جملہ چیزیں خود ہی ممکنہ حد تک تیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پانچویں وجہ مغربی معاشرت کی تقلید ہے جس کی وجہ سے عام طور سے ہر تعلیم یافتہ شخص ارزاں اور نفیس چیزوں کی خریدی کو ملکی مصنوعات کی خریداری پر ترجیح دیتا ہے طبیعت کی ضرورت سے زیادہ نفاست پسندی نسبتاً غیر نفیس ملکی مصنوعات کے استعمال کی اجازت نہیں دیتی۔ چھٹی وجہ ملک کی بہت بڑی حد تک معاشی محکومیت ہی ہے سلطنت آصفیہ کو اپنے معاشی مسائل ملکی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر آزادی کے ساتھ حل کرنے کی سہولتیں حاصل ہونی چاہیئے اور مثل برطانوی نوآبادیات کے ضروریات ترقی صنعت کا لحاظ کر کے محصول تامین عائد کرنے کا جائز اختیار و مناسب اقتدار واجبی حد تک حاصل ہونا ضروری ہے بہرحال ہم ان ہی وجوہات و اسباب کی روشنی میں انسداد بے روزگاری کی تدابیر و تجاویز پیش کرنیکی کوشش کریں گے۔

سب سے زیادہ ضروری بات جہاں تک کہ حیدرآباد کی بے روزگاری کا تعلق ہے یہ ذہن نشین کرنی ضروری ہے کہ قدرتی وسائل معیشت کی فراوانی کی بناء پر نہ صرف ہم مسئلہ زراعت ہی کی ترقی پر

غور کریں بلکہ مسئلہ ترقی صنعت وحرفت پر زیادہ سے زیادہ توجہ کریں۔ حیدرآباد کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے جس کا سیدھا ہاتھ توطاقتور ہے لیکن بایاں ہاتھ کمزور ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس حالت کمزوری کو دور کیا جائے، حیدرآباد میں مسئلہ زراعت اس میں کوئی شک نہیں ضرور قابل توجہ بن گیا ہے لیکن صنعت وحرفت کی ترقی کے لئے خاطر خواہ پیمانے پر مزید غور وخوص کرنے کی ضرورت ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خطہ دکن زمانۂ قدیم سے اُنیسویں صدی کے اوائل تک درجۂ اوّل کا صنعتی ملک سمجھا جاتا تھا اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اس ملک میں صنعتی ترقی کے جملہ ذرائع موجود تھے یہاں زرعی صنعتی حیوانی، جنگلاتی اور معدنی پیداوار بکثرت پائی جاتی تھیں، دکن اپنی قسمت کا آپ مالک تھا اہلِ دکن کی مختلف حکومتوں نے اپنے دور میں کبھی عوام کے ذرائع معشیت کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی دکن کی سلطنتوں کا دیہاتی نظام خود مکتفیت ہزاروں سال سے اپنی ترقی پذیر حالت میں برقرار رہا لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ وتسلط کے بعد علاقۂ دکن بتدریج درجۂ اول کے صنعتی ملک کی حیثیت سے گھٹ کر ایک خستہ حال زرعی ملک بن گیا، یہ ایک حقیقت ہے کہ زراعت عموماً قانون تقلیل حاصل کی پابند ہوتی ہے اور صنعت قانون تکثیر حاصل کی پیروی کرتی ہے پس بقول سر فریڈرک لسٹ کوئی قوم خواہ کتنی ہی زراعت میں ترقی یافتہ ہو ایک ہی ہاتھ رکھنے والی قوم کہلائے گی، جب تک کہ زراعت پیشہ قوم صنعتی دنیا میں ترقی نہ کرے، کبھی بھی خوشحالی کے اُس معیار کو حاصل نہیں کر سکتی جو اُس کے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے اِس کا مطلب یہ ہے کہ محض زراعت پیشہ ملک قوم کی جملہ ضروریات کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے صنعت و حرفت پیشہ ہونا لازمی ہے یہ بات قانون قدرت کے بھی عین مطابق ہے وہ اِس طرح کہ قدرت نے ہر انسان کو ایک خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے، بعض افراد قوم قدرتی طور پر سائنس کا دماغ رکھتے ہیں بعض انجنیرنگ کے لئے موزوں ہوتے ہیں بعض ڈاکٹری کی خداداد ذہانت کے مالک ہوتے ہیں بعض پروفیسر کی صلاحیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اگر قوم کے کُل افراد باوجود اس قسم کی مختلف ذہانتوں کے حالات زمانہ کے مجبوری کی بناء پر صرف زراعت ہی کے لئے مختص ہو جائیں تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ قدرتی ذہانت کا خون ناحق ہوا۔ اور مختلف فائدہ رساں ذہانتیں اپنی ناقدری کی وجہ مفلوج ہو گئیں، پس محض زراعت پیشہ ملک ہوتے ہیں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ مختلف قابلیتوں کے افراد قومی ترقی کا باعث ہونے کے بجائے پیشہ زراعت کو مجبوراً قبول کر کے قطرتاً قدامت پسند ہو جاتے ہیں برخلاف

اس کے صنعت و حرفت کی ترقی کی ہر قوم کو اس لئے ضرورت ہے کہ مختلف قابلیتوں کے افراد کی کھپت ہر پیشہ کی موزونیت کے لحاظ سے ہو جاتی ہے اس لئے ایک زراعت پیشہ قوم کی بے روزگاری کا واحد علاج اُس ملک کی صنعتی و حرفتی ترقی ہے۔

چونکہ ابھی سلطنت آصفیہ میں خاطر خواہ پیمانہ پر صنعتی ترقی عمل میں نہیں آئی، اس لئے یہاں صنعتی بے روزگاری کا مسئلہ وہ اہمیت حاصل نہیں کرسکا جو مغربی ممالک کی خصوصیت ہے بلکہ جو مسئلہ بے روزگاری حکومت کو پریشان کر رہا ہے وہ تعلیم یافتہ بے روزگاری کا صبر آزما مسئلہ ہے جس کے حل کرنے کے لئے ہم حسب ذیل تجاویز پیش کرتے ہیں۔

اوّل۔ نظام تعلیم کی قومی اور ملکی ضروریات حاضرہ کے اعتبار سے تبدیلی۔

دُوَم۔ صنعتی اور زراعتی ترقی کے لئے زرعی و صنعتی کالجوں کا قیام۔

سوَم۔ صاحب حوصلہ مُہم پسند افراد کی حکومت کی جانب سے ارزاں شرح سود پر قرضہ دہی کی صورت میں سرپرستی۔

چہارم۔ ملکی صنعت کے تحفظ کے لئے تامین محصول کے عائد کرنے کے اختیار کا حصول۔

پنجم۔ اعلیٰ پیمانے کی صنعتوں کا قیام جس کی ابتدا عوام میں اعتماد پیدا کرنے کے لئے خود حکومت کی جانب سے ہونا چاہیئے۔

ششم۔ سنہ ۱۸۰۲ء کے تجارتی معاہدہ میں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے تبدیلی۔

ہفتم۔ دفتر تحصیل معشیت بے روزگاران کا قیام اور ہر محکمہ کی جانب سے تعاون عمل۔

ہشتم۔ ملک کی مصنوعات کا منجانب حکومت دفاتر سرکاری کے علاوہ کشوری اور فوجی ضروریات کی تکمیل کے لئے استعمال۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ سرکار آصفیہ کے نظام تعلیم میں حالات زمانہ کے تغیر کے لحاظ سے خاطر خواہ تبدیلی عمل میں آرہی ہے لیکن اس تبدیلی کی رفتار کو تیز کرنے کی سخت ضرورت ہے اب تک صرف ابتدائی صنعتی و حرفتی مدارس کھولے گئے ہیں جو بمشکل ادنیٰ ثانوی درجہ کے کامیاب طلباء کے لئے موزوں ہیں مگر فوقانی صنعتی مدارس ابھی تک قائم نہ ہوسکے جن کی سخت ضرورت ہے اس کے بعد صنعتی کالجوں کا قیام بھی ضروری ہوگا صنعتی و حرفتی ترقی کے لئے سب سے پہلے صنعتی ماحول

پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرات! سلطنتِ آصفیہ کی ستّر فی صدی آبادی زراعت پیشہ ہے لیکن زراعت کی معقول تعلیم کا آج تک انتظام نہ ہوسکا شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ ادنیٰ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتوں کے سند یافتہ طلبہ کی زرعی تعلیم کے لئے تحتانی فوقانی زرعی مدارس مستقرہائے تعلقہ جات و اضلاع پر کھولے جائیں نظام آباد میں ایک زرعی کالج قایم کیا جائے علاوہ ازیں بلدہ میں بھی ایک زرعی پیداواروں کی تحقیقات کا ادارہ بمقام صدر مزرعہ حمایت ساگر کھولا جائے اس کا مفید نتیجہ یہ ہوگا کہ دیہاتی زراعت پیشہ رعایا کے بچے اعلیٰ زرعی تعلیم پاکر اپنے پیشہ کو کامیابی کے ساتھ چلاکر بے روزگاری کا مقابلہ کرسکیں گے، اگر اعلیٰ خدمات کے حامل افراد بیرون ملک سے طلب کئے جائیں تو اس حکمت عملی سے ملک کی بے روزگاری دفع نہ ہوگی بلکہ حسب الحال قایم رہے گی، اب یہ اعتراض ممکن ہے کہ حکومت کے ذمہ دار اصحاب مقتدر کی جانب سے کیا جائے کہ اعلیٰ تعلیم پائے ہوئے افراد جب ملک میں موجود نہ ہوں تو مجبوراً باہر کے افراد کا تقرر کیوں نہ کیا جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس اعتراض میں کچھ زیادہ وزن داری نہیں پائی جاتی، کیونکہ جب ملکی کاردان افراد موجود نہ ہوں تو ایسے وقت طلبہ کے والدین سے حکومت اپیل کرے کہ وہ اپنے صنعتی ترقی کے پروگرام کی تکمیل کی خاطر مستقبل قریب میں چند خاص صنعتوں کو جاری کرے گی اس لئے ایسے ماہرین صنعت کی شدید ضرورت ہوگی جو حکومت کی ملازمت میں داخل ہوکر ان صنعتوں کے کاروبار کو چلا سکیں، اگر کوئی غریب طالب علم اپنی غربت کی وجہ سے باوجود فطری صلاحیت رکھنے کے اعلیٰ فنی تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو ایسے طالب علم کو یورپی وظیفہ دلا یا جائے اس کے علاوہ منجانب حکومت جدید قائم شدہ کارخانوں کے اربابِ نظم و نسق کو مطلع کردیا جائے کہ کوئی کارخانہ سلطنت آصفیہ میں اس وقت تک قائم نہ ہوسکے گا جب تک کہ پچھتّر فیصدی ملکی سرمایہ کے علاوہ کم از کم پچاس فیصدی تربیت یافتہ یا معمولی مہارت والے ملکی مزدوروں کو ملازم رکھنے کا یقین نہ دلا یا جائے یہی وہ کامیاب طریقہ ہے جس کا تجربہ ایران و ترکی میں کامیابی سے کیا جارہا ہے۔ اس خصوص میں ایک اور حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے دوران میں بزمانہ عالیجناب ونکفیلڈ صاحب صدرالمہام مالگذاری راست اُنہی کے ایما اور مشورہ کی بناء پر اُن ہی کی نگرانی میں بمقام کاماریڈی ایک پیٹرول سازی کا

کارخانہ کھولا گیا تھا، بنگلور انسٹیٹیوٹ آف سائنس کے صدر ڈاکٹر فولر صاحب ۱۹۱۶ء میں حیدرآباد
اسی غرض سے تشریف لائے تھے کہ گلموہہ سے الکحل حاصل کرکے نباتی پٹرول سازی کا تجربہ کریں
چنانچہ یہ تجربہ کامیاب رہا، گلموہہ سے پٹرول تیار کرنے کے لئے دس لاکھ کی رقم کے صرفہ سے ایک
کارخانہ کاماریڈی کے تالاب کے قریب قایم کیا گیا اور فی گیلن سولہ میل کی رفتار سے گلموہہ کے
نباتی پٹرول سے موٹریں بھی چلائی گئیں، لیکن جوں ہی کہ ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم ختم ہوئی اور جناب فوکلیفیلڈ صاحب
اپنی خدمت سے سبکدوش ہوکر انگلستان روانہ ہوگئے یہ کارخانہ بھی بند کردیا گیا کیونکہ معدنی پٹرول
بازار میں ارزاں فروخت ہونے لگا تھا اس لئے نباتی پٹرول کی شاید ضرورت محسوس نہ ہوئی، کیا اچھا
ہوتا اس نباتی پٹرول سازی کے تجربہ کو اور تجارتی اصول پر آگے بڑھایا جاتا اور حکومت سرکار عالی
کی جانب سے ایک ماہر کیمیا سائنس داں اس نباتی پٹرول کے مزید تجربے کرنے کے لئے وقف کر دیا جاتا۔
اگر یہ نباتی پٹرول کی صنعت بیس سال کے عرصے میں قابل لحاظ ترقی کر جاتی تو آج پٹرول کی گرانی
کی وجہ سے موٹر نشین حضرات کو جن دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے شاید اس کی ضرورت ہی پیش
نہ آتی اور اگر یہ پٹرول سازی کی صنعت ترقی کر جاتی تو ہزاروں بے روزگار افراد کے لئے
ذریعۂ معاش فراہم کیا جا سکتا، آج بھی حکومت سرکار عالی جنگ کی مجبوریوں کی وجہ سے
بمقام بودھن نظام شوگر فیکٹری کے فضلہ سے پاور الکحل کا ایک کارخانہ قائم کرنے پر مجبور ہوئی ہے تاکہ پٹرول
کی کمی کو پاور الکحل کے آمیزہ سے ممکنہ حد تک رفع کیا جا سکے، مگر خارجاً مسموع ہوا ہے کہ یہ تمام
مساعی جنگ کے سلسلہ میں عمل میں آرہا ہے کیا اچھا ہوتا کہ ایسے نازک وقت میں پھر ایک مرتبہ
گلموہہ پٹرول کا تجربہ کیا جاتا، آج کل جو صنعتی چہل پہل مساعی جنگ کی تحت سلطنت آصفیہ میں
نظر آرہی ہے گذشتہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے دوران میں اگر اتنی نہیں تو اس سے کم ضرور
مشاہدہ کی گئی لیکن اس سلسلہ میں سب سے بڑا سوال جنگ کے حسن اختتام کے بعد اس صنعتی ترقی کو
برقرار رکھنے کا ہے تاکہ غیر ملکی مسابقت ان نوخیز صنعتوں کا گلا نہ گھونٹ دے، اس کے لئے
حکومت سرکار عالی کو تا ہنی حکمت عملی پر گامزن ہونا پڑے گا۔

حکومت سرکار عالی کو تاہنی محاصل کے عائد کرنے میں آزادی عمل کا اظہار کرنے کی ضرورت
ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ جو صنعتیں عالم طفلی سے گذرتی ہیں ان کی پرورش و پرداخت مثل بچوں کے

کرنی پڑتی ہے ہونہار صنعتوں کی امداد اسی قسم کی غیر ملکی مصنوعات پر محصول تامین عائد کرکے کی جانی چاہیئے، چنانچہ آج کل برٹش گورنمنٹ بھی یہی کر رہی ہے۔ اسی سلسلے میں یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت آصفیہ کی صنعتی ترقی میں سنہ ۱۸۰۲ء کا تجارتی معاہدہ ایک بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہا ہے یہ معاہدہ یہ زمانۂ آصف جاہ ثانی سرکار آصفیہ اور سرکار کمپنی کے مابین طے پایا تھا اس معاہدہ کی بنا پر ملکی صنعت و حرفت کے تحفظ کے لئے ہماری حکومت غیر ملکی مصنوعات پر پانچ فیصدی سے زیادہ محصول درآمد نہیں کرسکتی۔ یہ ایک اندوہناک حقیقت ہے کہ اس معاہدہ کی وجہ سے نفیس صابن کا سرکاری کارخانہ بیس سال پیشتر سن لائٹ صابن کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر دم توڑ دیا اسی طرح جاپانی مقابلہ کی تاب نہ لاکر عثمان شاہی ملز نا ندیڑ نے اپنی شکست کا اعتراف کرلیا، جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس پارچہ بافی کی گرنی کے قیام کے آٹھ دس سال بعد بہ مشکل حصہ داروں کو دو یا ڈھائی فیصد منافع تقسیم کیا گیا حالانکہ عوام اگر سیونگ بنک میں اپنا اندوختہ محفوظ کراتے تو اس زمانے کے لحاظ سے کم از کم تین فیصدی منافعہ حاصل کرتے؛

بہرحال یہی وہ تامینی محصول عائد نہ کرنے کی مجبوریاں ہیں۔ جس کی وجہ سے سلطنت آصفیہ میں اعلیٰ صنعتوں کی یقینی کامیابی کے متعلق قطعی اطمینان نہیں دلایا جاسکتا، صنعتی و حرفتی ترقی کے تدابیر کے بیان میں اس معاہدہ کی اہمیت کو گھٹایا نہیں جاسکتا۔ اس معاہدہ میں مناسب ترمیم کی ضرورت ہے تاکہ بے روزگاری کے مسائل کو خاطر خواہ طریقے پر حل کیا جاسکے۔

خدا کرے کہ جنگ کے حسن اختتام کے بعد اس معاہدہ کی تجدید و ترمیم ملک کی صنعتی ضروریات کو پیش نظر رکھکر عمل میں آئے۔ خدا کا شکر ہے کہ دفتر تحصیل معشیت کے قیام سے ریاست حیدرآباد میں ایک سخت ضرورت کی تکمیل عمل میں آچکی ہے، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مقتدر حاکم مختلف محکمہ جات سرکار عالی دفتر تحصیل معشیت سے حقیقی معنوں میں تعاون عمل کرے۔ جہاں تک زرعی بے روزگاری کا تعلق ہے اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ کاشتکار طبقہ کے وسائل معشیت میں اضافہ کیا جائے۔ محض مقررہ فصلوں کی

کاشت کسی کاشتکار کو متمول نہیں بنا سکتی بلکہ زرعی معاشیات کی ترقی کے سلسلے میں باغبانی، مرغبانی، زرعی آلات و اوزار بنانے کی تعلیم، علاجِ حیوانات کے ابتدائی اصول کی تعلیم کی بھی سخت ضرورت ہے سب سے زیادہ فصلوں کی کاشت میں ایسی زرعی ساخت کی ضرورت ہے جس کی بناء پر یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ کونسی زمین کس قسم کی کاشت کے لئے موزونیت رکھتی ہے، اس خصوص میں اس امر کا اظہار بیجا نہ ہوگا کہ آج کل "زیادہ غلہ اگاؤ" کی جو مہم شدت کے ساتھ جاری کی گئی ہے اس مہم سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے لئے محکمۂ زراعت کی جانب سے چند ضروری امور انجام دئے جائیں، اول تو یہ کہ صرف ایسا ہی غلہ اگانے کی کاشتکار کو ترغیب دیجائے جس کی ملک میں شدید طلب ہے دوسرے یہ کہ ارزاں ملکی کھاد کے اور سستے آلاتِ کشاورزی کے استعمال کی ترغیب زرعی مظاہروں کے ذریعہ سے ضروری عمل میں آئے، اس کے علاوہ آج کل مساعی جنگ کے سلسلہ میں غلہ کی پیداوار کا مسئلہ بہت ہی اہمیت اختیار کرنا جا رہا ہے، اس لئے اس سلسلہ میں محکمۂ ماکولات کا قیام بھی نہایت مناسب ہوگا جس کے سپرد نہ صرف نگرانی نرخ اشیاء کا ہی فرض ہو بلکہ فراہمی و تقسیم غلہ کا بھی اہم انتظام ہو، جنگ کے اختتام کے بعد مثل ریاست میسور کے ریاست سرکار عالی کی جانب سے بھی اگر ٹریڈ کمشنر ممالک غیر میں مقرر کئے جائیں جہاں سلطنت آصفیہ کے پیداواروں کی کافی مانگ ہو تو اس سے کاشتکاروں کو خاطر خواہ نفع حاصل ہونے کی قوی توقع کیجا سکتی ہے اور درمیانی تاجر کاشتکار کا جو جائز نفع حاصل کر لیتے ہیں وہ تمام تر کاشتکار کے جیب میں طلب و رسد کے اصول پر چلا جائے گا، یہاں تک تو اصولی حیثیت سے مسئلہ بے روزگاری کے انسداد کے بنیادی تدابیر سے بحث کی گئی۔ اب عملی حیثیت سے بھی مزید تدابیر بیان کیجاتی ہیں جو تعلیم یافتہ بے روزگار طبقہ کے انسدادِ بے روزگاری کے لئے از حد ضروری ہیں۔ یہ یاد رہے کہ ہر وہ چیز جو ملک کی معاشی ترقی کے مسئلہ کو حل کرنے میں معاون ہو سکتی ہے وہ ساتھ ہی ساتھ مسئلہ بے روزگاری کے حل کا بہترین ذریعہ بھی ثابت ہو سکتی ہے، کیونکہ جب عوام کا معیار تمول ملکی خوشحالی کی بدولت ترقی کر جاتا ہے تو اسی وقت کارخانوں اور صنعتی اداروں کی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ اہلکاروں، پروفیسروں، اساتذہ صاحبان، وکلاء و ڈاکٹر صاحبان، فروشندگان مالِ تجارت اور منتظمین بیمہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اسی طرح جب کبھی حکومت ملک کی ہمہ جہتی ترقی کی جانب کوشش کرتی ہے تو نئے نئے محکمہ جات نظم و نسق کے قیام سے جدید تقرراتہا سوال درپیش ہوتا ہے اور اس طرح تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے نئے وسائل روزگار پیدا ہو جاتے ہیں۔

اب ہم تعلیم یافتہ بے روزگاری کے لئے راست عمل کی تجاویز ذیل میں پیش کرتے ہیں جن پر عمل کیا جائے تو توقع ہے کہ یہ مسئلہ بہت جلد حل ہو جائے گا۔

اوّل ۔ وہ تجاویز جن پر عمل کرنے کی صورت میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طلب بڑھ جائے گی۔

دوم ۔ وہ تجاویز جن کو بروئے کار لانے کی صورت میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد گھٹ جائیگی۔

سوم ۔ وہ تدابیر جن کو اگر عملی جامہ پہنایا جائے تو تعلیم یافتہ طبقہ کی طلب و رسد میں ایک قسم کا توازن پیدا ہو جائیگا۔ اب ہم ذیل میں تین قسم کی تجاویز کی مختصر تشریح کرتے ہیں وہ تجاویز حسب ذیل ہیں جن پر عمل کرنے کی صورت میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طلب بڑھ جائے گی۔

پہلی بات یہ ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طلب میں اُسی وقت اضافہ عمل میں آسکتا ہے جب کہ مجالس صفائی میں تعلیم یافتہ انجنیروں کا تقرر سرکاری عمارات کی تعمیر و نگرانی کرنے کے لئے عمل میں لایا جائے۔

دوسرے یہ کہ سند یافتہ ڈاکٹروں کو دیہاتی مقامات پر پھیل جاتے اور بر وقت طبی امداد رعایا کو بہم پہونچانے کی شدید ضرورت کے مدِنظر باقاعدہ ملک میں طبی امداد کے حلقے مقرر کئے جائیں منجانب لوکل فنڈ ایسے ڈاکٹروں کو کچھ مستقل الونس بھی دیا جائے۔

تیسرے یہ کہ سرکاری طور پر ایسے معمل خانے تیار کئے جائیں جہاں سند یافتہ ڈاکٹر صاحبان ملکی جڑی بوٹیوں کی تحقیقات کر کے امراض کہنہ کے نئے نئے علاج دریافت کریں۔ اور ایسے ڈاکٹروں کی خصوصیت کے ساتھ سرپرستی کیجائے جو نئی نئی دوائیاں ایجاد کر کے ملکی صنعت و حرفت میں ترقی کا باعث ہوں۔

چوتھے یہ کہ صرف سند یافتہ ڈاکٹروں کو ہی کسی شہر کے حدود مجلس صفائی میں مطب جاری کرنے کی اجازت دی جائے اور بے سند ڈاکٹروں کو خانگی مطب کی اجازت نہ دی جائے۔

پانچویں یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے حکومت حیدرآباد معاش ملازمین سرکار عالی کی تخفیف کے متعلق ہرگز غور نہ کرے بجائے غریب ملازمین سرکار کی جائداد میں تخفیف کرنے کے یہ مناسب ہوگا کہ ایک عام اسکیل قائم کر کے اعلیٰ تنخواہوں میں مناسب تخفیف عمل میں لائی جائے۔

چھٹے یہ کہ پچپن۵۵ سالہ عمر میں وظیفہ کی علیحدگی کے قواعد ملازمت کی سختی سے پابندی کیجائے تاکہ بے روزگار نوجوان نسل کو ملکی خدمات انجام دینے اور تجربہ حاصل کرنے کا بہترین موقع حاصل ہو جائے۔

ساتویں ۔ یہ کہ پیدائش بر پیمانہ کبیرا ور بر پیمانہ صغیر کی صنعتوں کو ممکنہ حد تک ملک میں جاری کرنے کی ممکنہ کوشش کیجائے، صنعت فولات سازی کے امکانات کی مساحت اور اس کے جاری کرنے کی ممکنہ کوشش کیجائے کیونکہ یہ ملک کی کلیدی صنعت ہے بلیغ ٹپے کے مقام پر فولادی صنعت کے قیام کے امکانات زیادہ پائے جاتے ہیں کرشنا ندی کا آبشار اور دریائے گوداوری بالکل قریب ہے اسی طرح سے ملک کی گھریلو صنعتوں کو ترقی دینے کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ خود حکومت ان کی خریدار ہو جائے تاکہ عوام کو بھی ایسی صنعتوں کی سرپرستی کی ترغیب ہو۔

آٹھویں یہ کہ منجانب حکومت ایسے معاشی ماہرین کے تقرر کی ضرورت ہے جو ملکی صنعت کے لئے نئے نئے بازار پیدا کرتے اور اُن پر قبضہ کرنے کے مفید مشورے دے سکیں اس سلسلہ میں ہمیں حکومت میسور کی پیروی کرنی چاہیئے جس نے اپنے ٹریڈ کمشنر کو لندن میں مقرر کر کے ملکی اشیاء کی فروخت کا بہترین انتظام کر دیا۔

نویں بات یہ کہ جبری تحتانیہ تعلیم کے مسئلہ کو حل کرنے کی ممکنہ کوشش عمل میں لائی جائے کیونکہ اس تعلیمی اشاعت کا خوشگوار نتیجہ یہ بھی برآمد ہوگا کہ دیہات میں تعلیم دینے والے سینکڑوں بلکہ ہزاروں اساتذہ صاحبان کی ضرورت ہوگی اور اس طرح تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد گھٹانے کا اچھا موقع ملے گا۔

اب وہ تجاویز بیان کیجاتی ہیں جن پر عمل کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ایسے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد گھٹ جائے گی جو صرف سرکاری ملازمت اور اہلکارانہ خدمات کو اپنا واحد ذریعۂ معاش خیال کرتے ہیں اس کے لئے طبقہ فوقانیہ کے آخری امتحان کے لئے دو قسم کے اسناد مقرر کئے جائیں ایک سند تو اُس امتحان کے لئے مختص کر دی جائے جو اعلیٰ ثانوی کہلاتا ہے اور جس میں کامیابی کے بعد حکومت کے مختلف دفاتر میں سرکاری ملازمت کا حاصل کرنا ممکن ہو سکے گا علاوہ ازیں اسی امتحان کی کامیابی کے بعد صنعتی اور زرعی مدارس میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخلہ عمل میں آسکے گا دوسری سند امتحان اعلیٰ ثانوی کی صرف اُن ذہین طلباء کو دی جائے جو اعلیٰ نمبرات حاصل کر کے کامیاب ہوئے ہوں اور جن میں یہ قابلیت ہو کہ وہ آیندہ حکومت کے مختلف اعلیٰ خدمات کے مقابلہ کے امتحانوں میں شرکت

کرسکیں، اس طریقہ کار کا یہ نتیجہ ہوگا کہ جو طلبا معمولی ذہانت کے ہیں وہ اعلیٰ ثانوی امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد جامعی تعلیم کی ہمت نہ کرسکیں گے اور اپنی توجہ کسی ابتدائی ملازمت سرکاری یا کسی صنعتی و حرفتی مناسب طبع تعلیم کے حصول کی جانب مبذول کردیں گے، اس طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی تعداد گھٹ کر صرف ایسے کامیاب طلبا رہجائیں گے جو ڈاکٹری، انجینیری، سرکاری ملازمت علیا، صحافت اور تصنیف و تالیف کی خدمات کے لئے بدرجۂ اتم موزوں ہوں، ایسے موزوں طلبا بعد فراغ امتحان اور تکمیل تعلیم مقابلہ و مسابقت کی کمی کی وجہ سے جس پیشہ کو بھی اختیار کرلیں گے اس کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھ کر اپنی شہرت آپ پیدا کرسکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انگلستان، جرمنی، جاپان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ بیروزگاروں کی تعداد بہت کم محسوس کیجاتی ہے اور وہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی بیروزگاری کا مسئلہ وہ اہمیت حاصل نہ کرسکا جو ہندوستان کے مختلف صوبوں اور خود سلطنت آصفیہ میں دیکھی جارہی ہے۔

اس کے بعد اب وہ تدابیر بیان کیجاتی ہیں کہ جن کو اگر عمل میں لایا جائے تو تعلیم یافتہ افراد کی طلب و رسد میں ایک طرح کا توازن پیدا ہوجائے گا۔

پہلے یہ کہ حرفتی تعلیم کے اداروں میں زیادہ تر عملی تعلیم حاصل کرنے کی مناسب سہولتیں فراہم کیجائیں اور بحیثیت مجموعی حرفتی تعلیم کا رجحان زیادہ تر اصولی ہونے کے بجائے عملی رہے خصوصاً مدارس تحتانیہ میں عملی تعلیم دیہاتی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر دیجائے اور زیادہ تر عملی کام کرنیکی تربیت تحتانی جماعتوں کو دی جائے۔

دوسرے یہ کہ نہ صرف ڈاکٹروں بلکہ اطبائے یونانی کو سلطنت آصفیہ کے مختلف اضلاع و تعلقات میں پھیل جانے کی ترغیب دیجائے اور منجانب سرکار کم از کم آلات جراحی سے ڈاکٹروں کی اور آلات دواسازی سے یونانی اطباء کی امداد کیجائے، اس سلسلہ میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر حکومت کا مالیہ اجازت دے تو مثل مہذب ممالک کے ہر مستقر تعلقہ و ضلع پر اگر ہوائی سرویس نہیں تو امبولنس کار سرویس قائم کیجائے تاکہ حادثات ناگہانی کے شکار زخمیوں اور قریب الہلاکت نازک مریضوں کو صدر شفاخانہ یونانی یا دواخانہ افضل گنج میں بہترین علاج کے لئے دیہات و اضلاع سے فوراً منتقل کیا جاسکے۔

تیسرے یہ کہ ترقی پذیر ضروریات قومی کی تکمیل کی غرض سے دنداں سازی، دواسازی، حساب دانی، کتب خانہ داری اور صحافت کے پیشوں کی تعلیم و تربیت بھی نہایت ضروری ہے۔ اسی سلسلے میں ہم یہ کہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جس قدر جلد ہو سکے بلدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں ملکی ضروریات کے لحاظ سے صدر دارالصنعت و حرفت جس کو (Polytechnic) کہا جاتا ہے بعجلت ممکنہ قائم کیا جائے۔ یہ اہم ادارہ جسقدر جلد قائم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہوگا کیونکہ مساعی جنگ کے کامیاب انجام کے سلسلے میں یہ بات بُری طرح محسوس کی گئی کہ مشنری کے کل پرزوں سے واقف فن دانوں کی قلت نے جنگ کی کامیاب رفتار پر گہرا اثر ڈالا۔ لندن میں Polytechnic نامی ادارہ قایم ہے جہاں بیان کیا جاتا ہے کہ سولہ[16] سو پیشوں کی صنعتی و حرفتی گھریلو تعلیم کا انتظام موجود ہے اور جس کی بدولت ہر معمولی خواندہ یا ناخواندہ طالب علم اپنے طبعی مذاق سے مطابق ہنر سیکھ کر اپنے آپ کو روزگار پیدا کرنے کے قابل بنا لیتا ہے۔

چوتھے یہ کہ اس امر کی کوشش کی بھی ضرورت ہے کہ زرعی کالجوں کے طیلسانین اور ڈپلوما یافتگان کو ترغیب دیجائے کہ وہ اپنا ذریعۂ معاش بجائے ملازمت سرکاری کے خود زراعت کو قرار دیں۔ ایسے مہم پسند اور صاحب حوصلہ زرعی تعلیم کے فارغ طلباء کو مناسب اور موزوں مقامات پر مفت اراضیات زرعی بھی دی جائیں، زرعی تعلیم کے سلسلے میں جہاں تک ہو سکے صنعت فراہمی شیر اور مکھن سازی کی جانب بطور خاص توجہ کیجائے۔

پانچویں اس امر کی بھی سخت ضرورت ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کو تجارتی اداروں میں تاجرانہ تربیت حاصل کرنے کی ترغیب دی جائے اور مناسب ضمانت پر ایسے ہونہار صاحب حوصلہ تجارت پسند افراد کی مالی امداد بھی کی جائے۔

چھٹے یہ کہ حکومت مستقبل قریب میں جو بھی صنعتی یا حرفتی کاروبار کا آغاز کرنا چاہیے ایسے کاروبار کی قبل از وقت تشہیر کی جائے، تاکہ طلباء کے والدین اپنے بچوں میں اسی اعتبار سے فنی قابلیت پیدا کرنے کے متعلق غور کر سکیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ دفتر تحصیل معیشت کے قیام سے ایک حد تک اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی طلب کی شدید ضرورت کی تکمیل ہو چکی ہے لیکن یہ عام شکایت ہے کہ دیگر محکمہ جات سرکاری تقررات کے وقت دفتر تحصیل معیشت سے بہت کم مدد لیتے ہیں اگر

تمام محکہ جات اس سلسلے میں اپنے پُرخلوص تعاونِ عمل کا اظہار کریں تو اس سے تعلیم یافتہ بے روزگاری کے گھٹانے میں بڑی مدد ملے گی ابھی تک ریاست سرکار عالی میں (Mental Test) رجحان ذہنی کی آزمایش کا کوئی باضابطہ ادارہ قائم نہیں ہوا ہے جس کو عام طور پر مینٹل ٹسٹ انسٹیٹوٹ کہا جاتا ہے اگر سرکاری مدارس میں طبی معائنہ کے رکارڈ کے مثل ہر طالب علم کے رجحان ذہنی کا رکارڈ بھی رکھا جائے تو اس سے طلباء کے والدین کو اپنے بچوں کے روزگاری مستقبل کا تصفیہ کرنے میں بڑی سہولت ہوگی۔

ساتویں یہ کہ جامعات کے تعلیمی نصاب میں تحقیقاتی کام کی سخت ضرورت ہے تاکہ ملک میں کیمیا اور طبیعات کے ایسے ماہرین پیدا ہوں، جن سے ملک اور قوم کی بیسیوں قسم کی ضروریات صنعت و حرفت کی تکمیل ہو سکے۔

آٹھویں یہ کہ مجلس تقررات کے قیام کی امیدواران ملازمت سرکاری کے انتخاب کیلئے سخت ضرورت ہے ہر محکمہ کے لئے موزوں امیدوار ملازمت کا انتخاب ہونا چاہئے اور اس کیلئے ایک امتحان مقابلے کے انعقاد کی ضرورت ہوگی۔ برٹش انڈیا میں پبلک سروس کمیشن کے نام سے مجلس تقررات قائم ہے اور تمام سرکاری جائدادوں پر موزوں امیدوار کے انتخاب کے لئے اسی مجلس سے کام لیا جاتا ہے اور جہاں سعی و سفارش کا بہت کم دخل ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قابلیت کی بنیاد پر جس امیدوار کا بھی انتخاب ہوگا اس امیدوار کی مثال ایک ایسے پرزے کی سی ہوگی جو حکومت کی مشنری میں بالکل ٹھیک طور پر نصب ہو کر بحیثیت مجموعی حکومتی مشنری کی کارکردگی اور قوتِ عمل میں اضافہ کا باعث ہو سکے۔

بہر حال یہی وہ تجاویز ہیں جن پر اگر خلوصِ دل کے ساتھ عمل کیا گیا تو ہمیں یقین ہے کہ بے روزگاری کا بھوت جو اپنا سر اٹھاتے نظر آرہا ہے بہت جلد کمزور ہو تو اوان ہو کر طبعی موت مر جائے گا ہماری بارگاہ رب العزت میں یہی دعا ہے کہ حکومت سرکار عالی کو وہ ذرائع و وسائل عطا ہوں کہ جن کی بنا پر وہ اپنے ملک کے خاص خاص صنعتی و حرفتی وسائل کو اپنی ضروریات کے مطابق حل کر سکے، تمام ہی خواہان حکومت اور وابستگان دولت آصفیہ کو وہ امن چین و خوشحالی کا دور نصیب ہو جو سنینِ ماضیہ میں اس کو حاصل تھا رعایا ء سرکار عالی ملک کی

زرعی و صنعتی ترقی کی بدولت اپنی قوت خرید میں اضافہ کر سکے اور جاں نثاران دولت آصفی کو پُر مسرت و مرفہ الحال زندگی کے بسر کرنے کے وہ تمام مسرت بخش اور طمانیت آفریں مواقع جلد از جلد حاصل ہو جائیں جو مہذب ممالک میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ ایں دُعا از من و ازجملہ جہاں آمین باد۔

اس مقالہ کے اختتام پر مولوی جناب محمد امراللہ صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے مندرجہ ذیل تحریک پیش کی :۔

”سینما بینی طلبہ کی زندگی کا ایک لاینفک جزو بن گئی ہے اور اس کا مضر اثر طلبہ کی زندگی پر پڑ رہا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ کانفرنس حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ فلم سنسر کمیٹی میں ماہران تعلیم کا اضافہ کیا جائے تاکہ مخرب اخلاق فلموں کی نمایش سے شہری اخلاق کا معیار پست ہونے سے محفوظ رہ سکے اور اس بارے میں مجوزہ قانون جلد نافذ فرمایا جائے“۔

جناب مولوی اکبر عالم صاحب وکیل ہائیکورٹ نے اس کی تائید کی اور تحریک بالاتفاق منظور ہوئی۔

معتمد کانفرنس نے تحریک مندرجہ ذیل پیش کی :۔

”یہ کانفرنس ملک کی موجودہ فنی اور حرفتی تعلیم کی توسیع کے لئے اور ملک کی معاشی ضروریات اور بے روزگاری کے ارتفاع کے لئے مکرر سرکار عالی کی توجہ اس امر پر مبذول کراتی ہے کہ سررشتہ تعلیم صنعت و حرفت کا مجوزہ پروگرام جلد سے جلد نافذ کیا جائے“۔

جناب مولوی عبدالکریم صاحب تماپوری وکیل نے اس تحریک کی تائید کی جو بالاتفاق منظور ہوئی۔

اس مرحلہ پر جناب مولوی سید منظور الحسن صاحب صدر مدرس مدرسہ آصفیہ نے مدرسۂ مذکور کے حالات پر ایک مضمون سنایا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مملکت حیدرآباد کا ایک قومی ادارہ

صدر عالی مرتبت! معزز خواتین و حضرات! میں اپنے آپ کو بے انتہا خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ آج اس عظیم الشان جلسے میں مجھے حیدرآباد کے ایک قدیم قومی ادارہ کے مختصر حالات و خصوصیات بیان کرنے کا موقع ملا ہے جس کے لئے میں اس جلسے کی مجلس انتظامی کا بدل منت پذیر ہوں۔ قبل اس کے کہ میں ادارہ کی زندگی پر روشنی ڈالوں اس کے بانی فخر قوم و بہی خواہ ملت جناب مولوی الحاج میجر نواب ممتاز یار الدولہ بہادر کی ذات ستودہ صفات سے معزز حاضرین کو روشناس کرنا میں اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔ جو اصحاب اس جلسہ میں موجود ہیں یا جو اس ریاست کے صحیح حالات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جناب ممدوح کے خلوص۔ ایثار اور جذبۂ عمل سے ایک بڑی حد تک ضرور باخبر ہوں گے۔ اگر میں یہ عرض کروں تو بیجا نہ ہوگا کہ ہندوستان کی تمام دیسی ریاستوں میں جس قدر مملکت حیدرآباد بہ ہر حیثیت امتیازی برتری کی حامل ہے۔ اسی طرح یہ ادارہ بھی جو سلطنت ابد مدت کے نام نامی سے منسوب ہے اپنی امتیازی خصوصیات کے اعتبار سے جو بانی ادارہ کی شخصیت، ذاتی ایثار اور پرخلوص مساعی کی بدولت حاصل ہیں تمام ریاست کے مدارس پر ہر طرح فوقیت رکھتا ہے۔ اس ادارہ نے ایک ایسے زمانہ میں جنم لیا جبکہ عام طور پر ملک میں جدید تعلیم کا فقدان تھا۔ ایسے نازک دور میں برادران ملک کی پستی کا احساس ایسے بے چین اور دردمند دلوں کو ہوا جنھوں نے ملک کی تعمیری بنیادوں کے استحکام کا بیڑا اُٹھایا۔ اس سے میری مراد اس ادارہ کے معتمد و بانی جناب میجر نواب ممتاز یار الدولہ بہادر کی بے لوث ہستی ہے جس نے اس ادارہ کے قیام اور اُس کی بقاء و فلاح کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ آپ کا یہ کارنامہ قوم پر ایک بڑا احسان ہے۔

حضرات! اس ادارہ کی داغ بیل بانی ادارہ نے اپنے ذاتی صرفہ سے پلٹن صرف خاص مبارک کے حدود میں جس کے آپ کمانڈنگ افسر تھے ڈالی۔ مقیم طلباء کی رہائش کے لئے چھپر ڈال کر تعلیمی انتظامات عمل میں لائے گئے۔ صدارت مدرسہ کے لئے بانی ادارہ کی دور رس نگاہوں نے ایک ایسی ہستی کا انتخاب کیا جو بلحاظ علم و کمال اقصائے ہند میں خاص شہرت کی حامل تھی۔ مولوی محمد عبدالحق صاحب

جیسے فاضل شخص کی خدمات برگیڈ آفس سے عاریتہً حاصل کی گئی۔

مولوی صاحب موصوف نے تبحر علمی اور تجربہ سے طلبہ کے دل و دماغ کو نہ صرف آراستہ کیا بلکہ مدرسہ کی تعلیمی اساس کو بھی مستحکم کر دیا۔ اب جبکہ ایک حد تک مدرسہ کے جملہ انتظامات اطمینان بخش طریقہ پر پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے تو بانی مدرسہ کے دل میں اس کی مستقل عمارت کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا چنانچہ موصوف نے اپنے اس خیال کا اظہار عالیجناب جنرل سر افسر الملک سپہ سالار عساکر سلطنت آصفی سے کیا۔ اور سر افسر الملک مرحوم نے اس خیال کا نہ صرف خیر مقدم فرمایا بلکہ ممکنہ علمی امداد و اعانت کا وعدہ بھی فرمایا اس کے بعد بانی ادارہ نے مختلف نقطہ ہائے نظر کے ایک ایسے مقام کو منتخب کیا جو قدرتی دلچسپیوں سے مالا مال اور تعلیمی اعتبار سے عدیم المثال ہے۔ یہ مقام ہمدرد ملک اور بہی خواہ ملت جناب نواب سر آسمان جاہ مرحوم امیر پائیگاہ مدار المہام سلطنت آصفیہ کا گرانقدر عطیہ ہے جو ہمارے محترم صدر جلسہ کے جد اعلیٰ ہوتے ہیں۔ عالیجناب نواب سر آسمان جاہ مرحوم کی اس تبسم آمیز ملاقات کو مدرسہ آصفیہ کی فضائیں کبھی فراموش نہیں کر سکتیں جب کہ نواب صاحب ممدوح نے بانی ادارہ کے والہانہ جوش عمل سے متاثر ہو کر نہایت فراخدلی سے احکامات صادر فرمائے کہ آسمان گڑھ کے قریب جو زمین جس قدر مطلوب ہو مدرسہ آصفیہ کے حوالے کی جائے۔ چنانچہ بانی ادارہ نے جس قطعہ زمین کو منتخب فرمایا اس کے حدود متعین کر دئے گئے۔ یہ زمین شمال کی جانب سرور نگر کی سڑک تک جنوب کی طرف جناب نواب سر امین جنگ بہادر کے باغ تک اور مغرب کی سمت نواب دولھا خاں کے باغ تک پھیلی ہوئی ہے۔ مملکت حیدرآباد کی اس مایۂ ناز شخصیت کا یہ گراں بہا عطیہ خستہ حال قوم کے لئے ایک ایسی نعمت ہے۔ جسے تاریخ حیدرآباد کے اوراق کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اس غیر آباد اور ویران سرزمین پر مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ چھپروں سے آغاز ہوا اور اسی فضاء میں آج شاندار اور پر عظمت عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جن میں ہونہاران ملک کے کردار حسن اخلاق اور حسن علم سے آراستہ کئے جاتے ہیں۔ ایک اقامتی درس گاہ کے لئے یہ مقام اس قدر موزوں واقع ہوا ہے کہ جہاں طلبہ کی دماغی ارتقاء اور جسمانی نشو و نما کی خود قدرت ذمہ دار ہے۔ اس قابل رشک مقام کے دستیاب ہونے کے بعد تعمیر عمارات کے لئے فراہمی رقم کا اہم ترین مسئلہ درپیش ہوا۔ روپیہ کی فراہمی کا کام جس قدر مشکل اور صبر آزما ہے وہ محتاج بیان نہیں لیکن بانی ادارہ کی بے لوث جد و جہد غیر متزلزل ارادوں کی بدولت آج وہی ادارہ جس کی

ابتداءً چھپروں میں ہوئی تھی تقریباً تین لاکھ کی پرشوکت عمارات پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔ تعمیر عمارات کے سلسلے میں جنرل افسر الملک مرحوم کا نام نامی ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جن کی ذاتی دلچسپی و فوجی امداد نے مدرسہ کی عالیشان عمارات کی تعمیر میں نمایاں حصّہ لیا۔

حضرات! یہاں یہ امر خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے کہ خوش قسمتی سے اس ادارہ کو ابتداء ہی سے یہ امتیازی خصوصیت حاصل رہی ہے کہ یہ اس ریاست ابد مدت کے علم دوست و علم پرور فرمانروایانِ وقت کے گرانقدر شاہانہ عطیات اور مربیانہ الطاف و کرم سے متمتع اور بہرہ اندوز رہا ہے، چنانچہ حضرت غفران مکان علیہ الرحمہ نے اس مدرسہ کا نام "مدرسۂ آصفیہ" رکھ کر سلطنت آصفیہ سے نہ صرف دواماً منسوب فرمایا بلکہ بمراحم خسروانہ مبلغ (۳۰۰) تین سو روپیہ کی گرانقدر مستقل امداد کے لئے سنہ ۱۳۱۶ھ مقدسہ میں جو فرمان عطوفت نشان صادر فرمایا وہ مدرسہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے موجودہ آقائے ولی نعمت حضرت ظلِ سبحانی بندگانعالی خلد اللہ ملکہٗ نے سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی سب سے پہلے تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں مدرسۂ آصفیہ ہی کو حضرت غفران مکان علیہ الرحمہ کی یادگار کے لئے مناسب خیال فرما کر قیام یادگار کے لئے (۲۵۰۰۰) پچیس ہزار روپیہ کی گرانقدر رقم سرفراز فرمائی۔ چنانچہ مسجد محبوبیہ کی چومنزلہ پرشوکت عمارت جو ڈیڑھ لاکھ کے صرفہ سے تعمیر ہوئی اس عمارت کی پہلی منزل میں جدید ترین نمونہ کا لکچر ہال ہے جس میں اعلیٰ درجہ کا اسٹیج بنا ہوا ہے اور جو دیدہ زیب فرنیچر سے مزین ہے۔ دوسری منزل پر مدرسہ کا انگریزی اُردو کتب خانہ اور دار المطالعہ موجود ہے۔ جسے میز کرسیوں اور اخبار کی اسٹینڈ سے پورے طور پر آراستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تیسری منزل پر نہایت دلکش بارونق اور کشادہ مسجد ہے۔ یہاں آکر وہ روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے جس کا اظہار الفاظ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ چوتھی منزل عربی کتب خانہ کے لئے وقف ہے۔ یہ عمارت نہ صرف بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد بلکہ تمام ہندوستان میں آپ اپنی نظیر ہے اور ادارہ کو زینت بخش رہی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ مدرسہ بفضلِ خدا ابتداء سے اب تک فرمانروایان و خانوادۂ شاہی کے دامنِ عاطفت سے وابستہ رہا اور ہے۔ حضرات! مدرسہ کی اس اجمالی تاریخ اور امتیازی خصوصیات بیان کرنے کے بعد یہ مقالہ نامکمل رہے گا اگر میں اس کی تعلیمی کارکردگی اور بہترین نتائج کا اجمالی ذکر نہ کروں

گزشتہ نصف صدی کے دور میں اس نے جو ملک اور قوم کی خدمات ادا کی ہیں اس کی تفصیل کی اس مختصر وقت میں گنجایش نہیں اس لئے اس درس گاہ کے ان چند سپوتوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اس مادر درس گاہ سے فیض حاصل کر کے اس وقت تک ملک کی بڑی بڑی خدمات کو انجام دے چکے ہیں اور دے رہے ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

نواب حامد یار جنگ بہادر مرحوم ناظم جنگلات و ملٹری سکریٹری حضرت اقدس و اعلیٰ

نواب منظور جنگ بہادر وظیفہ یاب تعلقدار، مولوی خطیب عبداللطیف صاحب وائس پرنسپل جاگیردار کالج۔ مولوی محمد عثمان صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد۔ مولوی احمد محی الدین صاحب مرحوم اڈیٹر روزنامہ رہبر دکن۔ مولوی خلیل الزمان صاحب صدیقی رکن عدالت العالیہ۔ وغیرہم۔

حضرات! اس درس گاہ نے اپنی زندگی کے کامل (۳۰) سال وسطانی حیثیت سے ختم بھی نہ کئے تھے کہ سررشتۂ تعلیمات کے اعلیٰ عہدہ داروں کی ہمدردانہ توجہ سے ۱۳۳۵ف میں وسطانیہ سے فوقانیہ کے درجہ پر پہنچ گیا اور بفضلِ خدا اب تک اس حیثیت سے اپنی خدمات کی بجا آوری میں مصروف عمل ہے۔

مدرسہ کے فوقانیہ ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی بانیٔ مدرسہ کے دل میں اپنے ملک کی معاشی پستی و تکلیف دہ بے روزگاری کے انسداد کا پاکیزہ احساس پیدا ہوا جس نے بہت جلد ایک خوشگوار عملی صورت اختیار کی اور ۱۳۳۸ف میں ہمدردِ ملک عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر بالقابہم کی مبلغ پانچ ہزار کی گرانقدر خاموش امداد سے مدرسہ میں نجاری، خیاطی، کفش دوزی، اصلاح سازی، بید بافی، پارچہ بافی، اور گاذری کے صنعتی شعبوں کا قیام اعلیٰ پیمانہ پر عمل میں لایا گیا اور دو سال کے عرصہ میں منجملہ (۴۵) طلبہ کے (۲۰) طلبہ اس قابل بنائے گئے کہ وہ مختلف صنعتی پیشوں سے اپنی روزی کما رہے ہیں۔ مندرجۂ بالا صنعتی شعبے عرصہ دو سال یعنی جس وقت تک انہیں نواب صاحب ممدوح کی سرپرستی حاصل رہی کامیابی کے ساتھ چلتے رہے۔ لیکن افسوس کہ بعد میں ہمدردانِ ملک کی خاطر خواہ عملی سرپرستی نہ ہونے سے وہ شعبے مجبوراً برخاست کر دئے گئے۔

حضرات! صفحات بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ مدرسہ کی کارکردگی اور تدریجی ترقیوں کا ایک سرسری خاکہ تھا اب میں آپ صاحبان کی توجہ اس کے اقامت خانہ کی خصوصیات اور اس کے انتظام

کی طرف منعطف کراتے ہوئے اختصار کے ساتھ یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے اقامت خانہ میں معاشرہ کے عمدہ طریقوں اور پاکیزگی کے اصولوں سے طلباء کو عملاً واقف کرایا جاتا ہے۔ اس ادارہ کی بنیاد سے بانی ادارہ کا اصل نصب العین یہی تھا کہ طلباء دینی اور دنیوی تعلیم سے آراستہ ہوں۔ چنانچہ بانی ادارہ نے ابتداء ہی سے مقیم طلبہ کے لئے قرآن مجید کی بامعنی تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے۔ اِس مذہبی کلاس کے ساتھ بانی ادارہ کو اِس قدر شغف ہے کہ آپ باوجود گوناگوں مصروفیات کے ہر دوشنبہ کو باالالتزام مدرسہ تشریف لاکر قرآن مجید کی مقدس تعلیم کے فیوض و برکات سے اساتذہ اور طلباء کے قلوب کو منور کرتے ہیں۔ یہ اس اقامت خانہ کی ایسی خصوصیت ہے کہ جس کو دیگر مدارس کے مقابل میں مابہ الامتیاز قرار دیا جا سکتا ہے۔ نیجر صاحب موصوف نے طبقہ امراء کے لئے ایک ایسا بورڈنگ ہاؤس قائم کیا تھا جو انگریزی طرز رہائش کی ایک پاکیزہ تصویر تھی سارے انتظامات ایک یورپین لیڈی کے ہاتھ میں تھے اس بورڈنگ ہاؤس کے قائم کرنے کا مقصد اولین یہ تھا کہ طبقۂ امراء کے وہ لڑکے جو غیر اسلامی ماحول میں پرورش پاکر جذبۂ اسلام کو کھو بیٹھے ہیں وہ یہاں آکر اسلام سے قریب تر ہو جائیں اور ان میں اسلام کی سچی محبت پیدا ہو جائے۔ لیکن نیجر صاحب موصوف کی اس اسکیم کو پورے طور پر استقرار حاصل ہونے نہ پایا اور وہ قوم کی غفلت شعاری اور بے اعتنائی کا شکار ہو کر رہ گئی۔ اس وقت بھی نیجر صاحب موصوف کی آرزو ہے کہ اس بورڈنگ ہاؤس کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے لیکن اس جبات نو کا خیر مقدم متمول افراد کی جانب سے جب تک نہ کیا جائے گا اُس وقت تک اسکیم کا کامیاب ہونا ناممکن ہے۔

حضرات! یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر قومی ادارہ کے بانی کو اپنے ادارہ کی ترقی اور فلاح و بقاء کا ایک قوی احساس ہوتا ہے کیونکہ یہی اس کی زندگی کا قابل قدر سرمایہ ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اپنی کبرسنی کا لحاظ کرتے ہوئے بانی ادارہ نے مدرسہ کی جملہ جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کو حکومت سرکار عالی کی صیانت میں آج سے چھ سال قبل یعنی ۱۳۴۳ف کو دیدیا تاکہ مدرسہ کی کماحقہٗ نگرانی اور جس مقصد کے تحت اس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے وہ ہمیشہ حاصل ہوتا رہے۔ ادارہ کو دائمی طور پر وقف کرنے کے بعد اس کے جملہ نظم و نسق کو بھی یکم آذر ۱۳۴۶ف سے ایک ایسی مجلس کے سپرد کر دیا ہے جو ملک کی قابل قدر ہستیوں پر مشتمل ہے اور ادارہ سے عملی ہمدردی رکھتی ہے۔ جس کے صدر و اراکین کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) عالیجناب نواب خسرو جنگ بہادر صدر المہام فوج و طبابت سرکار عالی۔ صدر نشین مجلس امناء۔
(۲) عالیجناب نواب ناظر یار جنگ بہادر ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی بار ایٹ لا رکن عدالت العالیہ سرکار عالی رکن مجلس امناء۔ (۳) عالیجناب مولوی محمد عبد الرحمن خاں صاحب بی۔ ایس۔ سی سابق صدر کلیۂ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی۔ رکن مجلس امناء۔ (۴) عالیجناب حضرت مولانا عبد القدیر صاحب بدایونی مفتی عدالت العالیہ سرکار عالی۔ رکن مجلس امناء۔ (۵) عالیجناب مولوی ہارون خاں صاحب شیروانی ایم۔ اے بار ایٹ لا صدر شعبۂ تاریخ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی۔ رکن مجلس امناء۔ (۶) عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم۔ اے بار ایٹ لا سابق معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی۔ رکن مجلس امناء
(۷) عالیجناب مولوی ڈاکٹر سید حسین صاحب مسجل جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی۔ رکن مجلس امناء۔
(۸) عالیجناب خان بہادر احمد اللہ الدین صاحب او۔ بی۔ ای۔ رکن مجلس امناء۔ (۹) عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات ملک سرکار عالی۔ رکن مجلس امناء۔ (۱۰) عالیجناب ناظم صاحب امور مذہبی سرکار عالی۔ رکن مجلس امناء۔

ذرائع آمدنی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ابتداء میں اس مدرسہ کے مصارف بانی ادارہ نے اپنی ذات سے کئی ماہ تک برداشت کئے اس کے بعد حضرت غفران مکان علیہ الرحمۃ کی شاہانہ امداد سے سرفرازی ہوئی۔ پھر جنرل نواب سر افسر الملک مرحوم نے اپنے ذاتی اثر سے کام لیکر جملہ عساکر آصفی کے ملازمین کی تنخواہوں سے بہ حساب نصف پائی فی روپیہ چندہ جاری کروایا۔ اس کے علاوہ بانی ادارہ نے بھی بہت سے ملک کے امراء و روساء سے یکمشت اور مستقل امدادیں حاصل کیں۔ فوج باقاعدہ کی ماہانہ امداد تقریباً (صما) پانچ سو روپیہ ادارہ کے پانچ سال کی عمر سے (۴۰) سال تک ملتی رہی لیکن افسوس کہ بعض وجوہات کی بناء پر غیر متوقع طور پر اس کے مسدود ہونے سے ادارہ کے نظم و نسق پر جو اثر پڑا وہ ناقابل بیان ہے۔ اس امداد کو بند ہوئے دو سال کا بھی عرصہ نہیں ہوا تھا کہ اس کے سرمایہ محفوظ سے مبلغ (ـــــ) دس ہزار روپیہ جن کا منافع مدرسہ کی آمدنی کا ایک مستقل سرچشمہ تھا دکن کمرشل بنک کے التواء کاروبار کی وجہ سے ڈوب گئے۔ باوجود اس کثیر نقصان کے ادارہ کے استقلال اور

ثابت قدمی سے ادارہ کے کاروبار میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی۔ اس ناقابل تلافی نقصان کی تکمیل کے لئے
بانئ ادارہ نے فراہمی سرمایہ کا مستحسن اقدام کیا جس کا یہاں ذکر حاضرین کرام کے لئے خالی از دلچسپی
نہ ہوگا۔ بانی ادارہ نے فراہمی چندہ کے لئے ایک رجسٹر حروف تہجی مرتب کرکے سب سے پہلے اس رجسٹر کو
ایک معروضہ کے ساتھ ہز ہائنس حضرت والا شان نواب اعظم جاہ بہادر ولیعہد سلطنت آصفیہ پرنس
آف برار (جن کے اسم گرامی کا سر حرف الف ہے) کے ملاحظہ میں پیش کرکے یہ درخواست کی کہ اس
مدرسہ پر جس طرح آں والا شان کے جدِ امجد اور والد بزرگوار نے انعام و اکرام فرمایا ہے اسی طرح
والا شان بھی اس کی امداد فرما کر عملی سرپرستی فرمائیں۔ بانی ادارہ کی اس درخواست کو علم دوست
پرنس نے منظور فرما کر مبلغ ([illegible]) پچیس روپیہ سکۂ کلدار ماہانہ جاری فرمائے اس کے بعد جو نیر
پرنس حضرت والا شان نواب معظم جاہ بہادر نے (جن کا سر حرف میم ہے) معروضہ پیش کرتے ہی
مبلغ ([illegible]) بیس روپیہ سکۂ کلدار کی مستقل امداد جاری فرمائی۔ ان دونوں پرنسوں سے امداد
حاصل کرکے صاحبزادہ حضرت نواب بسالت جاہ بہادر سے ([illegible]) پندرہ روپیہ ماہانہ کی امداد
حاصل کی گئی۔ ان تینوں خاندانِ شاہی کی بزرگ ہستیوں سے امداد حاصل کرنے کے بعد ارباب حکومت
سرکار عالی۔ دوسرے عہدہ داران و جاگیرداران وغیرہم سے مستقل امداد یں حاصل کرکے بانی
ادارہ نے صرف تین سال کے عرصہ میں اصل سرمایہ کی تکمیل کر دیا۔

اسمائے معطیان مدرسۂ آصفیہ۔

(۱) عالیجناب نواب خسرو جنگ بہادر صدر المہام فوج و طبابت سرکار عالی۔ [illegible]۔ (۲) عالیجناب
نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات۔ ([illegible])۔ (۳) عالیجناب آنریبل سید عبدالعزیز صاحب
صدر المہام عدالت ([illegible])۔ (۴) عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر ([illegible])۔ (۵) عالیجناب
نواب کمال یار جنگ بہادر ([illegible])۔ (۶) عالیجناب نواب حمایت نواز جنگ بہادر ([illegible])۔
(۷) عالیجناب مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی (از اسٹیٹ) [illegible]۔ (۸) عالیجناب نواب
سر نظامت جنگ بہادر سابق صدر المہام سیاسیات ([illegible])۔ (۹) محترمہ لیڈی ناسکر صاحبہ ([illegible])
(۱۰) عالیجناب خان بہادر احمد علاؤالدین صاحب ([illegible])۔ (۱۱) عالیجناب نواب دھرم کرن
بہادر صدر المہام تعمیرات ([illegible])۔ (۱۲) عالیجناب کرانتن صاحب سابق معتمد مالگذاری ([illegible]) سالانہ

باوجود اپنی کبیر سنی اور ضعیفی کے بانی ادارہ کی اس جد و جہد کو فوق العادۃ سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہوگا۔ یہ امر بھی باعث مسرت ہے کہ بانی ادارہ نے اس کی آیندہ بڑھتی ہوئی ضروریات کے مدنظر اپنی ذاتی جائداد کے تین پختہ بنگلے مالیاتی (۵۰۰۰۰) پچاس ہزار روپئے اور برما آئیل وٹاٹا آئرن کمپنی کے حصص وغیرہ مالیتی (۱۵۰۰۰) پندرہ ہزار روپئے بحق مدرسہ وقف کردئے۔ اپنی ذاتی جائداد کو بھی بانی ادارہ نے مجلس امناء کے حوالہ کردیا۔ بانی ادارہ کا یہ ایثار ملک و قوم کے لئے باعث فخر و مباہات ہے۔

ضروریات بانی ادارہ کی مسلسل نصف صدی کی مساعی جمیلہ کے باوجود اس کے ذرائع آمدنی اس قدر محدود ہیں کہ اس کی ضروریات کی تکمیل کے لئے مزید معتدبہ سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اگر برادران ملک توجہ فرمائیں تو یہ قومی مدرسہ اپنے پیش نظر ارتقائی منازل کو جلد از جلد طے کرسکتا ہے اور حسب [illegible] کی وہ دیرینہ آرزو پوری ہو کر رہے گی کہ مدرسہ ہذا بلند ترین اور قومی مقاصد کو لئے ہوئے ایک کالج کی شکل اختیار کرلے جس طرح جامعۂ اسلامیہ علیگڈھ کو شمالی ہندوستان میں مرکزیت حاصل ہے اسی طرح ضرورت ہے کہ جنوبی ہندوستان میں بھی ایک اسلامی کالج قایم ہو۔ اور یہی بانی مدرسہ کا اصل نصب العین ہے اس کی موجودہ ضروریات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اضافہ اسٹاف۔ اضافہ تنخواہ مدرسین وملازمین۔ فراہمی آلات تعلیمی۔ درستی اراضی بازی گاہ تعمیر مکنہ برائے رہائش مدرسین وملازمین تنصیب نل۔ باغ برائے تعلیم باغبانی وغیرہ۔

حضرات! اس مختصر مقالہ کو سن کر غالباً آپ اصحاب اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ سلطنت اسلامیہ حیدرآباد کے قومی مدارس میں اگر کوئی ماڈل کہلانے کا مستحق ہے تو یہی ایک ادارہ ہوسکتا ہے سلطنت اسلامیہ حیدرآباد کی عظمت اور سیاسی برتری کے اظہار کے لئے تمام اقصائے ہند کے گوشہ گوشہ میں یوم حیدرآباد منا کر نو کروڑ مسلمانان ہند نے اپنی حسن وفاداری اور عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے وہ قابل تشکر ہے اس رشتۂ خلوص ومحبت کو زیادہ مستحکم کرنے کی یہی ایک صورت ہے کہ جس طرح اقصائے ہند سے اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڈھ یونیورسٹی کو طلبہ روانہ کئے جاتے ہیں اسی طرح تحتانی وسطانی اور فوقانی تعلیم کے لئے طلباء مدرسہ آصفیہ کو روانہ کئے جائیں تو اس طریقہ عمل سے طلباء اس ادارہ کی تعلیم سے متمتع ہوں گے اور اگر اس ادارہ کو مسلمانان ہند کی تعلیم کا مرکز قرار دیا جائے تو اس سے آیندہ حیدرآباد اور ہندوستان کے

رشتۂ اتحاد میں جو استحکام ہوگا اور اس سے جو مفید نتائج پیدا ہوں گے اس کو ارباب بصیرت بخوبی جانتے ہیں۔

لہذا مجھے امید ہے کہ حاضرین کرام میری اس تجویز پر غور فرماکر مدرسۂ آصفیہ کے عمدہ ماحول اور بہترین تعلیم و تربیت سے اپنے نونہالوں کو متمتع ہونے کا موقع دیں گے۔ اور اس قومی امانت کی ہر ممکنہ امداد و اعانت سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ آخر میں ان حقیقتوں کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو دراصل مدرسۂ آصفیہ کے وجود میں آنے کا باعث ہوئیں۔ میں صدر ذوالقدر عالیجناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر سے مخاطب ہونے کی جرائت کرتا ہوں صدر محترم اس زمین پر آج قوم کے لہلہاتے ہوئے کھیت کی آبیاری کی جا رہی ہے وہ آپ ہی کی ہے۔ یہ آپ ہی کی فضائیں ہیں جہاں جذبۂ بلال سے سرشار ہو کر پانچ وقت آذانوں کی آواز گونجتی ہے۔ یہ دلکش مناظر آپ ہی کے ہیں جن کی آغوش میں ایک پر عظمت اور تقدس مآب مسجد کھڑی ہوئی ہے۔ اسلام کی عظمتیں آپ کی بھی سرزمین پر زندہ رہنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ دوسرے ماحول اسلام کے لئے اس قدر ساز گار ثابت نہ ہوسکے جس قدر کہ اس خطہ میں اسلامی کروٹوں میں جولانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ نوجوانوں کے مغرب زدہ تفکرات اسلام سے بیگانہ ہو رہے ہیں لیکن یہاں کا ماحول ان میں اسلامی رُوح پھونکنے کی کوشش کر رہا ہے زندگی کے بلند حوصلہ تصورات آج ان ہی فضاؤں میں بلندی کی طرف پرواز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ان کی حوصلہ افزائی آپ اور صرف آپ ہی جیسی قدرشناس شخصیتوں سے ہوسکتی ہے۔ جذبۂ قومی کا وہ جوش بے پناہ جو آپ کے سینہ میں موجزن ہے وہ اس مدرسہ کو آپ کی ذات سے وابستہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آج جن دشواریوں کے ہجوم میں مدرسہ کا مستقبل تاریک نظر آرہا ہے وہ آپ کی ایک توجہ سے دور ہو جائیں گی اور اسی ایک اُمید کو لئے ہوئے میں اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

اس مضمون کے سُنائے جانے کے بعد منجانب کرسئی صدارت جناب مولوی غلام احمد خاں صاحب میر مجلس پائیگاہ نے مندرجۂ ذیل تحریکات پیش کئے۔

(۱) یہ کانفرنس اس امر کو نامناسب خیال کرتی ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے کلیات میں طلبہ کے داخلہ پر تحدید عائد رہے کانفرنس یہ توقع کرتی ہے کہ جلد اس قاعدہ کی تنسیخ عمل میں آئے گی۔

(۲) یہ کانفرنس مکرر مدارس سرکار عالی میں معافی فیس کے تناسب میں اضافہ پر

سررشتۂ تعلیمات اور جامعہ عثمانیہ کی توجہ مبذول کراتی ہے۔

(۳) یہ کانفرنس مکرر سرکار عالی کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کراتی ہے کہ کم از کم حدود بلدۂ حیدرآباد و مستقر صوبہ جات میں لزوم تعلیم جبری کے لئے عملی اقدام کیا جائے۔

(۴) یہ کانفرنس اپنے دیگر سابقہ تحریکات کے متعلق جلد عملی توجہ کے لئے سرکار عالی کی توجہ منعطف کراتی ہے۔

یہ تحریکات بالاتفاق منظور ہوئیں۔

اس نوبت پر جناب مولوی محمد امیر علیخان صاحب صدر مجلس استقبالیہ نے اعلان کیا کہ کانفرنس کے وظائف فنڈ کے لئے دس ہزار روپئے فراہم کئے جائیں گے اور اس سلسلہ میں یہ تحریک پیش کی کہ:۔

"تقسیم وظائف کے متعلق تحریک کیجاتی ہے کہ کانفرنس کے سرمایہ سے دارالسلطنت و اضلاع کے طلباء و طالبات کو مناسب طریقہ پر وظائف عطاء کئے جائیں اور اضلاع کے طلبہ کے وظائف کی سفارش ضلع متعلقہ کی مجلس شوریٰ کے توسط سے ہوگی"۔

یہ تحریک بالاتفاق منظور ہوئی۔

اس موقع پر جناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر کیجانب سے کانفرنس کے وظائف فنڈ کے لئے ایک ہزار روپئے کا اعلان حسب ایمائے جناب ممدوح معتمد کانفرنس نے کیا۔

آخر میں کرسئ صدارت سے مندرجۂ ذیل تحریک بھی پیش کی گئی۔

"یہ کانفرنس نہایت ادب و احترام سے اپنے آقائے ولی نعمت خسرو دکن و برار کی بارگاہ میں بہ نفس نفیس افتتاح نمائش صنعتی کے متعلق جو حکم مرحمت شمیم شرف صدور پایا ہے اس کے لئے اپنے دلی تشکر و امتنان کا اظہار کرتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت جہانپناہی کی اس سرپرستئ شاہانہ سے نہ صرف نوجوانان ملک میں روح عمل پیدا ہوگی بلکہ ملکی صنعت کو ایسا فروغ حاصل ہوگا جس سے رعایائے آصفی کی ہر جہتی ترقی و مرفہ الحالی میں روزافزوں اضافہ ہوتا جائے گا اور ملک دولت و ثروت سے مالا مال ہوجائے گا"۔

حاضرین جلسہ نے کھڑے ہوکر یہ تحریک بالاتفاق منظور کی۔ اور جناب صدر صاحب کانفرنس نے اجلاس کے بخیر و خوبی ختم ہونے پر مختصر طور سے تقریر کی۔

جناب مولوی محمد عبدالرحمن خاں صاحب صدر مجلس انتظامی نے تشکریہ کی تحریک پیش فرمائی جس کی تائید میں جناب مولوی سید ذوالفقار علی صاحب حقانی ایک ولولہ انگیز تقریر کی جو حسب ذیل ہے۔

عالیجناب صدر محترم و معزز خواتین و حضرات! میں اس وقت بحیثیت معتمد مجلس استقبالیہ اپنے خوشگوار اور محبوب ترین فرض کو ادا کرنے کے لئے آپ کی خدمت گرامی میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرات۔ افکار و مصروفیات کی وجہ سے اس وقت میں ایسی حالت میں ہوں کہ پوری طرح سے اظہار خیال نہیں کرسکتا۔ لہذا جو کچھ بھی مجھ سے لغزش ہو اپنے کرم سے اس کو معاف فرمائیں۔

حضرات! یہ کانفرنس خیر و خوبی کے ساتھ کامیاب طور پر ختم ہوگئی جس کے لئے میں سب سے پہلے اس کارساز حقیقی اور عاجزوں کے دستگیر کا سجدۂ شکر بجا لاتا ہوں جس کے منشاء کے بغیر کوئی ذرہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ یہ اسی کا فضل و کرم ہے اور میرے تہ دل سے یہ صدا بلند ہو رہی ہے کہ

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
ہوگا جو کچھ وہ تیرے کرم سے ہوگا

اس کے ساتھ ہی میں ہمارے مالک مجازی آقائے ولی نعمت حضرت اقدس و اعلیٰ کا شکریہ بجا لاتا ہوں جن کے عہد میمنت کی معارف نوازی اور ارباب علم و فضل کی سرپرستی کی مثال سلاطین ماضیہ کی تاریخ میں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتی۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج گلبرگہ شریف کو محسنان ملک اور پرستاران تعلیم کے اجتماع کا یہ روح پرور نظارہ دیکھنا نصیب ہو رہا ہے۔

اس کے بعد میں اس کانفرنس کے محسن۔ مالک کے وفادار۔ اور ملک کے خیر خواہ طبقہ کے قابل احترام فرزند جن کی طرف ان کی مختلف قابلیتوں، صلاحیتوں، پاکیزہ خیالات اور ہونہار حالت کو دیکھ دیکھ کر اہلیان حیدرآباد کی آرزو مند نگاہیں اٹھتی جا رہی ہیں اور جن کی خلیق اور متواضع طبیعت اور حمیدہ صفات ہر ایک کو گرویدہ بنائے جا رہے ہیں۔ یعنی امیر پائیگاہ عالیجناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر صدر کانفرنس کی خدمت میں ہدیۂ امتنان و تشکر پیش کرتا ہوں جن کی قابلانہ رہنمائی میں اس کانفرنس کے اجلاس کامیابی سے ختم ہوئے اور جنہوں نے معماران قوم کے اس اجتماع کو مرہون منت فرمایا! اس کے ساتھ میں دونوں امرائے پائیگاہ یعنی عالیجناب نواب حمایت نواز جنگ بہادر اور عالیجناب نواب حسن یار جنگ بہادر کا بھی تشکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اپنی شرکت سے تعلیمی ہمدردی کا ثبوت دیتے ہوئے اس جلسہ کو رونق عطا فرمائی۔

اس کے بعد میں خاص طور پر کانفرنس کی مرکزی مجلس انتظامی کے محترم صدر جناب مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب سابق پرنسپل عثمانیہ کالج و جناب مولوی محمد مظہر صاحب معتمد و دیگر ارکان انتظامی و مندوبین و نیز بیرون گلبرگہ سے کانفرنس کی شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے مہمانان۔ ان تمام محبانِ وطن و پرستارانِ تعلیم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے شکریہ کے لئے میرے پاس کافی الفاظ نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے محض اپنے عزیز وطن کی محبت اور ہونہار نسلوں کی خدمت کے خاطر ایثار سے کام لیا۔ ذاتی صرفہ برداشت کیا۔ سفر کی زحمت برداشت کی اور یہاں بھی تکلیف اُٹھاتے رہے۔ اور ان سے استدعا کرتا ہوں کہ استقبالیہ کمیٹی کے طرف سے ان کو آرام پہونچانے میں ممکنہ کوشش کرنے کے باوجود ناشناسائی کی وجہ سے تکلیف ہوئی ہو تو عفو و کرم سے کام لیکر معاف فرمائیں۔

میں دیگر حاضرین کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ وہ دو دن سے زحمت فرما کر تشریف لائے اور گہری دلچسپی لیکر اجلاسوں کو کامیاب بنانے میں حصہ لیتے رہے۔ میں اپنے عزیز برادران یعنی ارکان شاد گلبرگہ کالج و عزیز رضا کار طلباء کی دل سے عزت کرتا اور ان کے لئے دُعائے خیر کرتا ہوں۔ جو آج دس پندرہ دن سے بھوک۔ پیاس۔ اور صحت کی پروا کئے بغیر رات دن کانفرنس کے کاموں میں محنت شاقہ اُٹھاتے ہوئے مضمحل ہوگئے ہیں۔ و نیز میرے رفیق جناب مولوی باقر محی الدین صاحب صدر مہتمم تعلیمات و جناب علاؤ الدین صاحب مہتمم تعلیمات اور ان کے ماتحتین کا بھی خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حضرات! معتمد کی حیثیت سے استقبالیہ کمیٹی کا شکریہ ادا کرنا بے محل ہے لیکن میرے دل پر اتنا گہرا اثر ہے کہ میں خود کو علیحدہ کر کے ذکر کئے بغیر خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس کانفرنس کے داعیٔ اوّل اور مجلس منتظمہ و استقبالیہ کے ترتیب دینے والے سابق صدر عالیجناب نواب غوث یار جنگ بہادر تھے۔ ان کے تبادلہ کے بعد موجودہ صوبہ دار عالیجناب مولوی امیر علی خاں صاحب نے مجلس استقبالیہ کی صدارت و سرپرستی فرمائی عالیجناب مرزا صادق بیگ صاحب سشن جج نے نائب صدارت۔ جناب کشن راؤ صاحب دیشمکھ نے شریک معتمدی اور جناب حامد مرزا صاحب و جناب ستیہ نارائن لال صاحب و جناب بالا پرشاد صاحب مہتممان خزانہ گلبرگہ نے خازنی اور تقریباً (۳۰۰) اصحاب نے بلا تفریق مذہب و ملت مجلس استقبالیہ کی رکنیت کو منظور فرما کر جس میں عہدہ داران مقامی۔ وکلاء۔ زمیندار۔ تجار اور معززین شہر شامل ہیں کانفرنس کے شکریہ اور حیدرآباد کے تعلیم یافتہ و روشن خیال طبقہ کی نگاہوں میں قدر و منزلت کے مستحق ہوئے۔ اہلیان گلبرگہ کی

یہی وہ ہمدرد ملک وتعلیم پرست جماعت ہے جس کی کوششں کا نظارہ آپ کے سامنے ہے۔ اور جس طرح طلبۂ رفاہ عامہ کے کاموں میں گو وداراورجو شیلے اہلیان گلبرگہ بلا تفریق مذہب وملت متحدہ جوش وسرگرمی سے کام لیکر اپنے شہر کی شہرت دوقار کا باعث بنتے ہیں وہی کیفیت اس کانفرنس کے کاموں میں بھی پیدا کردی کہ آج ہر طرف سے "بہت کامیاب۔ بہت کامیاب" کی صدائیں کانوں میں گونج رہی ہیں اور یہ بحثیں ہورہی ہیں کہ آیا کانفرنس کی تیس سالہ زندگی میں اس سے زیادہ کامیاب کوئی اور اجلاس بھی ہوا یا نہیں۔

حضرات! ان سب کے اسماء گرامی ظاہر کرنے کے لئے وقت باقی نہیں رہا۔ علاوہ مالی امداد کے ہر ایک نے کاموں میں کچھ نہ کچھ حصہ لیا۔ اس وقت سوائے کالج اسٹاف کے ان حضرات کا نام لیتا ہوں جو انتظام کے مختلف شعبوں کے صدور یا شریک صدر تھے۔ یعنی جناب مولوی باقر محی الدین صاحب صدر مہتمم تعلیمات۔ جناب مولوی علاء الدین صاحب مہتمم تعلیمات۔ جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب زائد سشن جج۔ جناب مولوی شرف الدین صاحب زائد ناظم ضلع۔ جناب ڈاکٹر جبار صاحب سیول سرجن۔ جناب پانڈورنگ راؤ صاحب دیسکمھ۔ اہلیہ جناب پانڈورنگ راؤ صاحب دیسکمھ۔ جناب مولوی اکبر عالم صاحب۔ جناب مولوی عبدالکریم صاحب تماپوری۔ جناب دامودر راؤ صاحب بورگاونکر۔ جناب عبدالعلی صاحب معتمد لوکل فنڈ۔ جناب مولوی شرف الدین صاحب میونسپل انجنیر۔ جناب دلسنکر صاحب ہیڈ ماسٹر نوتن ودیالیہ۔ جناب عثمان صحرائی صاحب۔ جناب واسدیو کوٹھاری صاحب بی۔ کے۔ ال۔ ال۔ بی۔

حضرات! اس کانفرنس کا سب سے بڑا مقصد ملک کی ٹھوس خدمت یعنی وظائف کے ذریعہ ہونہار غریب طلباء کو ان کی زندگیوں اور ملک کی خدمت کے لئے تیار ہوتے میں مدد کرنا ہے۔ جو وہ مسلسل تیس سال سے کررہی ہے اور جس کا نتیجہ ہے کہ اس سے قرضہ حسنہ لیکر ہمارے ہونہار نوجوان اعلیٰ عہدوں تک پہونچ چکے ہیں۔ لہذا میں اس شعبہ کا مختصر ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عالیجناب نواب غوث یار جنگ بہادر کے زمانہ میں فراہمی ارکان کا کام شروع ہوگیا تھا۔ اور اضلاع سے رقوم آرہے تھے۔ ماہ فروردی میں مستقر پر سرگرمی پیدا کرنے کے لئے عالیجناب مولوی امیر علی خاں صاحب کی صدارت میں مجلس استقبالیہ کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں جملہ حاضرین نے اپنے اپنے جانب سے عطایا یا رکنیت دائمی کے وعدے فرمائے۔ ان سب اسماء گرامی کے اظہار کے لئے وقت نہیں ہے میں صرف ان کا ذکر کرتا ہوں جنہوں نے ایک سو یا ایک سو سے زیادہ رقوم کے وعدے فرمائے تھے۔ سو سے کم رقم والے ان اصحاب کا نام نامی عنقریب اخباروں میں

ان اصحاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے کا جنہوں نے رقوم ادا فرما دی ہیں یا فرماتے جائیں گے۔ جلسہ مذکورہ میں جن اصحاب نے اعلان فرمایا تھا وہ یہ ہیں۔ عالیجناب مولوی محمد امیر علی خاں صاحب دو سو پچاس۔ جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب دو سو۔ جناب مولوی جمیل حسین صاحب تعلقدار۔ جناب مولوی احمد محی الدین صاحب انصاری زائد سشن جج۔ جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب زائد سشن جج۔ جناب مولوی علاء الدین احمد صاحب مہتمم تعلیمات۔ جناب مولوی قمر الاسلام صاحب زبیری صدر مہتمم لوکل فنڈ۔ جناب پانڈو رنگ راؤ صاحب ڈسٹرکٹ و آنریری مجسٹریٹ۔ جناب مولوی اکبر عالم صاحب وکیل۔ جناب مولوی عبد الکریم صاحب تاپوری ایڈوکیٹ۔ جناب رامچند صاحب کوٹھاری وکیل۔ جناب حاجی حیدر صاحب سوداگر۔ جناب راجہ حیدر راپا صاحب جاگیردار۔

ان حضرات نے سو سو کا اعلان فرمایا تھا۔ ان میں سے اکثر نے ادا فرما دیا۔ جلسہ مذکور کے بعد حال ہی میں جناب کشن راؤ صاحب ڈسٹرکٹ و شریک معتمد نے ایک سو کا اعلان فرمایا۔ اور جناب مولوی لائق علی صاحب مینجنگ ڈائرکٹر حیدرآباد کنسٹرکشن کمپنی نے ڈھائی سو۔ جناب محمد خواجہ صاحب گتہ دار تعمیرات دو سو۔ جناب کرشن کانجی صاحب گتہ دار۔ جناب عبد القادر احمد صاحب گتہ دار یادگیر نے سو سو تعداد ادا فرمائے۔

ان مخیر حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ کار خیر اس پر ختم نہیں ہوا۔ تمام اضلاع میں صدر مہتمم و مہتمم تعلیمات و صدر مدرسین و دیگر احباب جو در دمند ہیں اور اس کام کی اہمیت اور ہونہار طلباء کی مالی حالت سے واقف ہیں۔ کوشش فرماتے جا رہے ہیں جو ہر طرح شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان کا اعلان انشاء اللہ بعد میں متعاقب ہوتا رہے گا۔ مجلس استقبالیہ کی عطیات کمیٹی جس کے صدر جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب مہتمم تعمیرات اور ارکان جناب مولوی میر قاسم علی خاں صاحب مہتمم آبکاری اور جناب مولوی محمد احسن صاحب مہتمم کروڑ گیری ہیں خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔

حضرات۔ یہ خوش خبری سنئے حسب ارشاد جناب صدر استقبالیہ میں اعلان کرتا ہوں کہ صوبہ گلبرگہ سے ممدوح کے ذریعہ سے دس ہزار کے مالی امداد کی توقع ہے۔ جزاک اللہ۔

میں آخر میں دوبارہ اصحاب متذکرہ و نیز دوسرے اصحاب کی خدمت میں جن کا ذکر عجلت میں چھوٹ گیا ہو دوبارہ شکریہ پیش کر کے اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

آخر میں دعا ہے کہ کانفرنس کا یہ سالانہ اجلاس بخیر و خوبی اختتام کو پہنچے۔ فقط

فہرست ارکان دوامی حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس بابتہ ۱۳۵۱ف

اسماء ارکان دوامی

نشان سلسلہ	نام ارکین دوامی	کیفیت	نشان سلسلہ	نام ارکین دوامی	کیفیت
۱	جناب شیخ محمد غوث صاحب		۱۶	جناب نکندر راؤ صاحب	
۲	جناب ناصر محمد صاحب		۱۷	،، مادھو نارائن راؤ صاحب	
۳	جناب مبک راؤ صاحب		۱۸	،، محمد حنیف صاحب	
۴	جناب میر سجاد علی صاحب		۱۹	،، فیض المبین صاحب	
۵	جناب نواب میر محمود علی انصاری صاحب		۲۰	،، محمد عباس صاحب	
۶	،، نواب صدر یار جنگ بہادر		۲۱	،، نور الہدیٰ صاحب	
۷	محل جناب محمد دستگیر صاحب		۲۲	،، دھونڈی راؤ صاحب	
۸	جناب محمد عبد الولی صاحب تعلقدار		۲۳	،، بھگوت یاراجی راؤ صاحب	
۹	جناب ڈاکٹر محمد امین الدین صاحب		۲۴	،، فتح چند جیو راج صاحب	
۱۰	،، سنگ سیٹھی صاحب		۲۵	،، اسد اللہ حسینی صاحب	
۱۱	جناب ملا محمد عبد الباسط صاحب مولوی فاضل		۲۶	،، ابو القاسم سید محمد صاحب	
۱۲	،، ڈاکٹر شیخ سالار مسعود صاحب		۲۷	،، عبد الرؤف صاحب	
۱۳	،، سید تراب علی صاحب		۲۸	،، رام کشن نائک صاحب	
۱۴	،، نارائن راؤ صاحب		۲۹	،، کشن راؤ صاحب	
۱۵	،، گنپت راؤ صاحب		۳۰	،، سعید الزمان صاحب	

نمبر	نام		نمبر	نام	
۳۱	جناب حسن الزماں صاحب		۳۸	جناب نواب دوست محمد خاں صاحب	
۳۲	دختر جناب محمد دستگیر صاحب		۳۹	״ نواب نور الاسلام صاحب	
۳۳	جناب سید خورشید علی صاحب		۴۰	״ بیجا جادو جی صاحب	
۳۴	״ نواب ابو الفتح خان بہادر		۴۱	״ نرسنگم جی یا جی صاحب	
۳۵	״ نواب نذیر نواز جنگ بہادر		۴۲	״ ونکٹرام ارجن صاحب	
۳۶	״ نواب علی یار جنگ بہادر		۴۳	״ فرامز جی صاحب	
۳۷	״ نواب لی راؤ دہنا بہادر		۴۴	״ ہنو لال جی صاحب	

۴۵ - جناب نظام الدین صاحب

فہرست ارکان بابتہ سنہ ۱۳۵۱ف

نمبر	نام	عہدہ	مقام	نمبر	نام	عہدہ	مقام
۱	جناب محمد غوث صاحب ام اے	شریک معتمد	حیدرآباد	۱۱	جناب عبد الجبار صاحب	تاجر	گرگنٹہ
۲	״ ممتاز یار الدولہ بہادر	کانفرنس	״	۱۲	״ چندر راؤ صاحب	نقدی نویس	״
۳	״ محمد فاروق صاحب بی اے بی ایچ	دوم تعلقدار	بودھن	۱۳	״ سرینواس راؤ صاحب	منصف	سدسنور
۴	״ محمد خیر الدین خاں صاحب	ناظم عدالت	گرگنٹہ	۱۴	״ محمد عبد اللہ صاحب	وکیل	״
۵	״ میر ناصر علی صاحب	منتظم مال	״	۱۵	״ بن ہنمنت راؤ صاحب	״	״
۶	״ شیخ صالح صاحب	وکیل	״	۱۶	״ سوامنگیا صاحب	״	״
۷	״ محمد مغواجہ صاحب	״	״	۱۷	״ رام راؤ صاحب	״	״
۸	״ وینکٹ راؤ صاحب	منتظم پولیس	״	۱۸	״ بسں کوڑا صاحب		״
۹	״ محمد افضل حسین صاحب	سوداگر	״	۱۹	״ رائے کوڑا صاحب		״
۱۰	״ جمشید جی صاحب	صدر مدارس	״	۲۰	״ منت راج صاحب		״

۶۳	جناب عبدالحفیظ خانصاحب	دوم تعلقدار		۷۹	جناب شیخ مدار صاحب		گدوال
۶۴	،، غلام قادر صاحب بی اے	نائب صدر	سٹی کالج	۸۰	،، شرف الدین احمد صاحب صدیقی	منصف	گلبرگہ
۶۵	،، محی الدین محمود صاحب		حیدرآباد	۸۱	،، میر ولی الدین صاحب پی ایچ ڈی	پروفیسر جامعۂ عثمانیہ	حیدرآباد
۶۶	،، رکن الدین احمد صاحب	اگزامنر تعمیرات	،،	۸۲	،، محمد مظہر	اعزازی معتمد کانفرنس	،،
۶۷	،، میر انوار الحق صاحب	مددگار مال	عثمان آباد	۸۳	،، سید بہاؤالدین صاحب استطاری	ناظم عدالت	وظیفہ یاب
۶۸	،، سید عمادالدین صاحب	وکیل	عالم پور	۸۴	،، آر ستیہ نارائن صاحب بی ایس سی	لکچرار	جامعۂ عثمانیہ
۶۹	،، محمد حسین صاحب فاروقی	،،	،،	۸۵	،، محمد رضی الدین صاحب صدیقی	پروفیسر جامعۂ عثمانیہ	حیدرآباد
۷۰	،، ابو محمد صاحب	نائب ناظم مردم شماری	حیدرآباد	۸۶	،، میر احمد علی خانصاحب ام اے	ریڈر	،،
۷۱	،، ستیا صاحب			۸۷	،، محمد خیرالدین صاحب	وکیل	،،
۷۲	،، ولی حسن صاحب	اوّل تعلقدار	پربھنی	۸۸	،، محمد عبدالرحمن خانصاحب	صدر کانفرنس	،،
۷۳	،، ہبی صاحب		ماچرلہ	۸۹	،، محمد سلطان صاحب منشی فاضل	مددگار مدرسہ نامپلی فوقانیہ	،،
۷۴	،، سید فضل حسین صاحب ام اے ال ال بی		ورنگل	۹۰	،، مرلیدھر راؤ صاحب بی اے	مددگار مدرسہ	عثمان آباد
۷۵	،، شاہ صاحب		رائچور	۹۱	،، محمد عبدالرحیم صاحب	بانی صدر انجمن	
۷۶	،، مرزا محمود علی بیگ صاحب بی اے	مہتمم تعلیمات	محبوب نگر	۹۲	،، محمد شمس الدین خانصاحب	خازن	کانفرنس
۷۷	،، حاجی یوسف خانصاحب	وکیل	پربھنی	۹۳	،، میر اکبر علی خانصاحب	بیارسٹر	حیدرآباد
۷۸	،، ڈاکٹر سید حسین صاحب پی ایچ ڈی	مسجل جامعۂ عثمانیہ	حیدرآباد	۹۴	،، مولوی علی الدین احمد صاحب	ناظم	امور مذہبی

فہرست عہدہ داران وارکین انتظامی بابتہ ۱۳۵۱ف

(۳) عہدہ داران

۱	جناب مولوی عبدالرحمن خانصاحب	صدر		۲	محمد مظہر	معتمد	

۹	جناب مولوی محمد ہارون صاحب		رکن	۱۳	جناب مولوی محمد عبدالعزیز خان صاحب		رکن
۱۰	” مولوی مرزا محمود علی بیگ صاحب		”	۱۴	” مولوی سید بدرالدین حسین صاحب		”
۱۱	” مولوی محمد سعید الدین حسن صاحب		”	۱۵	” مولوی سید فضل حسین صاحب		”
۱۲	” مولوی محمد حبیب الدین صاحب		”	۱۶	” نواب غوث یار جنگ بہادر		”

ارکان مجلس تنقیح حسابات بابتہ ۱۳۵۱ف

(۱) جناب مولوی مرزا محمد بیگ صاحب۔ (۲) جناب مولوی میر اکرام علی صاحب

(۳) جناب پنڈت نرمل راؤ صاحب راہول

ارکان مجلس عاملہ بابتہ ۱۳۵۱ف

(۱) جناب مولوی محمد عبدالرحمن خاں صاحب صدر

(۲) محمد مظہر۔ (۳) جناب مولوی محمد غوث صاحب۔ (۴) جناب محمد شمس الدین صاحب
(۵) جناب ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ بہادر۔ (۶) جناب مولوی مرزا محمد بیگ صاحب۔
(۷) جناب ڈاکٹر سید حسین صاحب۔ (۸) جناب راجہ کرن پرشاد صاحب بہادر۔ (۹) جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب

ارکان مجلس وظائف بابتہ ۱۳۵۱ف

(۱) جناب مولوی محمد عبدالرحمن خاں صاحب صدر

(۲) جناب ڈاکٹر نواب یار جنگ بہادر (۳) جناب مولوی مرزا محمد بیگ صاحب (۴) محمد مظہر
(۵) جناب ڈاکٹر سید حسین صاحب (۶) جناب مولوی محمد غوث صاحب (۷) جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب
(۸) جناب مولوی محمد شمس الدین صاحب (۹) جناب مولوی میر اکرام علی صاحب (۱۰) جناب مولوی غلام قادر صاحب

(۱۱) جناب ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب

وظایف کے متعلق کامیابی کی تفصیلات

نمبر شمار	نام جماعت و کالج	سال ابتدائی			سال آخری			کیفیت
		تعداد شرکت کنندگان	تعداد کامیاب	تعداد ناکام	تعداد شرکت کنندگان	تعداد کامیاب	تعداد ناکام	
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
۱	ام بی بی ایس عثمانیہ۔ میڈیکل کالج	۸	۷	۱	۴	×	۴	[illegible]
۲	طب مستند نظامیہ۔ طبی کالج	۱	۱	۰	۰	۰	۰	
۳	بی ای عثمانیہ انجینیرنگ کالج	۳	۳	۰	۱	۱		
۴	اورسیری "	۳	۳		۱	۱		
۵	ڈپلوما ایجوکیشن عثمانیہ ٹریننگ کالج	۰	۰	۰	۱	۱	۰	
۶	کمرشیل کورس عثمانیہ ٹکنیکل کالج	۰	۰	۰	۱	۱	۰	
۷	ام اے۔ جامعۂ عثمانیہ	۲	۲	۰	۰	۰		
۸	بی ایس سی "	۲	۲	۰	۵	۲	۳	
۹	بی اے "	۱۰	۸	۲	۴	۲	۲	
۱۰	" کلیۂ اناث	۰	۰	۰	۲	۱	۱	
۱۱	" نظام کالج	۰	۰	۰	۲	۲	۰	(ایک آنرز
۱۲	انٹرمیڈیٹ۔ کالج جامعہ	۱۱	۱۱	۰	۱۳	۶	۷	
۱۳	" کلیۂ اناث	۱	۱	۰	۱	۰	۱	
۱۴	میٹرک۔ مختلف مدارس فوقانیہ	۶	۴	۲	۷	۶	۱	(۲) بدرجۂ اول
	میزان	۴۷	۴۲	۵	۴۳	۲۳	۱۹	

جملہ شریک جماعت ہائے ابتدائی و آخری (۸۹) جس میں کامیاب (۶۵) ناکام (۲۴)۔

والا مرتبت محترم صدر نشین صاحب و ارکان کانفرنس!

قواعد نافذہ کے رو سے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کا کاروباری سال فصلی سال پر آغاز اور ختم ہوتا ہے۔ ماہ آبان میں جدید انتخاب ارکان و عہدہ داران کانفرنس ہوتا ہے حسابات، موازنہ اور روئداد سالانہ کی منظوری جلسہ عام اراکین کانفرنس سے حاصل کی جاتی ہے اور اسی کے قریب تر تاریخوں میں کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد کیا جاتا ہے جلسہ عام میں روئداد سالانہ پیش ہونے کے بعد عام میقات کانفرنس میں اوسکو سنایا جاتا ہے۔

آج اس تاریخی شہر گلبرگہ میں امیر اعظم والا مرتبت نواب ظہیر یار جنگ بہادر کی صدارت میں کانفرنس کا چودھواں اجلاس مخلصانہ جذبات ارتقائے ملک و ملت کے ساتھ منعقد ہو رہا ہے اور مجلس انتظامی کی جانب سے کانفرنس کے کام سے متعلق سال ماضی کی روئداد سنانے کی خوشی حاصل کی جاتی ہے۔

کسی اور تذکرہ کے قبل ہم سے دائمی جدا ہونے والے افراد کا نام لینا تقاضائے احسان مندی و شکرگزاری ہے۔

جناب سر محمد اکبر نذر علی حیدری نواب حیدر نواز جنگ مرحوم حیدرآباد کے ۲۵ سالہ طویل اور اہم خدمات کی بجا آوری کے بعد سرکار عالی کی ملازمت اور صدارت عظمیٰ سے سبکدوش اور وائسرائے کی کونسل میں صدر المہامی پر مامور ہوئے اور چند ہی ماہ بعد اس

دنیائے فانی سے وہ دائمی طور پر جدا ہو گئے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس کانفرنس کے آغاز
میں ہی اونکی مدد اور رہنمائی کانفرنس کو حاصل ہو گئی۔ سر اکبر حیدری نے ملک کی ہمہ جہتی
ترقی میں عموماً اور رائے عامہ کو تقویت دینے اور سررشتۂ تعلیمات حیدرآباد اور
ایجوکیشنل کانفرنس کی ارتقا میں خصوصاً جو کچھ کیا ہے وہ عرصہ دراز تک ناقابل
فراموشی ہوگا۔ یہ ملک کے لئے بہتر ثمرات و برکات کا باعث ہوا۔ سر اکبر کانفرنس
کے اجلاس اولین کے صدر نشین اور عرصہ طویل تک مستقل میر مجلس کی حیثیت سے ہماری
رہنمائی کرتے تھے صدر المہامی فینانس کی ذمہ داری کی وجہ انہوں نے مجبوراً کانفرنس
سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ مگر تا زندگی کانفرنس کے ساتھ اونکی ہمدردی قائم رہی۔
کانفرنس کے خدمات کو وہ خوشی کے ساتھ اپنے اچھے کارناموں میں شمار کرتے تھے
ہم فانی انسان اب صرف مرحوم حیدری کے لئے دعائے مغفرت کر سکتے ہیں۔

مولوی احمد محی الدین صاحب مدیر رہبر دکن کا انتقال بھی باعث تاسف ہے
انہوں نے ملک کی اخباری ترقی میں نمایاں حصہ لیا اور کانفرنس کے کام کی بھی اخبار
میں ہمیشہ اشاعت فرماتے رہتے تھے اور عرصہ تک رکن انتظامی کانفرنس بھی رہے۔

سر اکبر حیدری کے کچھ عرصہ قبل این۔ جی۔ ولنکر صاحب بھی اب دنیا کی کشمکش
تفکرات اور آلام سے خلاصی حاصل کر چکے ہیں۔ ولنکر صاحب بڑی صلاحیت کے
انسان تھے اونکے قومی و ملکی و رفاہی خدمات کی طویل فہرست بنائی جا سکتی ہے
اون کا نام شہر بمبئی کے تعلیمی مشاہیر کی سماجی خدام کی فہرست میں شامل ہے ۲۹ سال
قبل وہ حیدرآباد میں بلائے گئے اور انہوں نے حیدرآباد کو اپنا وطن بنا لیا سررشتۂ
تعلیمات سرکار عالی اور جامعہ عثمانیہ کی ارتقا میں کافی حصہ لیا ہے۔ ابتدائی دور کانفرنس میں
وہ سر اکبر حیدری کے اثر سے شامل ہوئے اور تقریباً تین سال تک کانفرنس کو مشورے سے

کافی مدد دی رقمی چندہ بھی دیا کانفرنس میں ان کے کام کو یاد رکھنے والے موجود ہیں اگرچہ ایک عرصہ قبل سے وہ خود فراموش ہو چکے تھے تاہم ان کی ظاہری موت قابل تاسف ہے۔

انسان فانی ہے زمانہ جلد جلد گزرتا جارہا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کانفرنس کا نشو و نما ۲۸ اردی بہشت ~~۱۳۲۳ ف~~ ۱۳۲۴ ف سے ہوا اور ۲۴ فروردی کو اس کا پہلا اجلاس حیدرآباد کے محبوب ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا ۲۷، ۲۸ سال کی طویل مدت کل کی بات دکھائی دیتی ہے وہ بزرگ اور احباب جن کی کانفرنس رہین منت ہے اور جنھوں نے اس کی ضرورت کی پیش بینی کی اس کو قائم کیا کامیابی سے چلایا ان میں بہ کثرت افراد اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ انسان کی ذاتی جمع کردہ دولت اس کے وارث عموماً بلا تامل صرف کر دیتے ہیں لیکن انسانوں کی قومی ملکی صلاح و فلاح کی خدمات اور ادارے سودمندی کے ساتھ قائم رہتے ہیں ایسے ادارے ابتدا میں دو چار افراد کی ہمت اور پیش بینی کی صلاحیت سے وجود میں آتے ہیں اور پھر سارے ملک و قوم کا مرکز عمل بن جاتے ہیں ایک کے بعد دوسری نسل اس کی خدمت گزاری میں کوشاں ہو جاتی ہے ہم بقیۃ السلف افراد کے لئے یہ امر تسلی کا باعث ہے کہ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کو چلانے اور قائم رکھنے میں نئی نسل اسلاف گذشتہ کی جانشین بن رہی ہے۔

حیدرآباد میں قومی و ملکی اداروں مثلاً مدارس ادبی انجمنوں وغیرہ کے قیام کا سلسلہ ۷۰، ۸۰ سال سے نظر آرہا ہے لیکن کانفرنس سے قبل کسی ایسی اجتماعی ہیئت و کوشش کا نشان نہیں ملتا جس کا مقصد بلا لحاظ مذہب و ملت تمام ممالک محروسہ کی عام صلاح و فلاح خاص کر تعلیمی صلاح فلاح ہو اور جو اس وسیع اور عظیم ملک کو بیرونی اداروں اور بیرونی قوتوں سے مستغنی کر دے اور خود ملک میں علم و عمل کی طاقت کو وسعت

دے اور اوس کی وجہ سے ملک کی عظمت و عزت ترقی پاسکے۔

ان ہر سہ افراد کے ساتھ جناب مخدومان محترم مولوی اکبر علی صاحب، مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب، مولوی مرزا محمد بیگ صاحب، رائے سری کشن صاحب، مولوی عبدالسلام صاحب مرحوم، مولوی رضی الدین حسن صاحب کیفی مرحوم وغیرہم نے بھی جو اپنی اپنی جگہ صلاح و فلاح ملک و ملت کے لئے غور و کوشش و عمل میں مصروف تھے اپنی شرکت و توانائی بھی ابتدا سے مجتمع فرمادی نیز اور بھی اصحاب کرم ہمت تحمل و قوت کثرت کے ساتھ ہمارے ساتھ شامل ہوتے گئے جن کا نام طوالت کی وجہ نظر انداز کیا جاتا ہے بہر حال جو کچھ بھی ہوا اس کا نام و نشان اس کانفرنس سے چلا جارہا ہے اور انشاء اللہ چلا جائیگا۔

آج ایلورا، اجنٹہ، پاکھال، رامپا، مکہ مسجد، چار مینار اور خود اس تاریخی شہر گلبرگہ کے صدیوں قبل کی بنائی ہوئی شاندار و مستحکم عمارتوں کے انجینیروں کا نام و نشان آسانی سے نہیں معلوم ہوسکے گا مگر ان بنانے والوں کا کام ان کے بنائے ہوئے عالیشان عمارات سے بیک نظر معلوم ہوسکتا ہے اسلاف کے اس اعلیٰ تمدن کا معیار اس عظیم تر عمارات سے قائم ہے اب زمانہ حال میں عمارات کی طرح اداروں کو بھی شہرت دوام حاصل ہونے لگی ہے۔

تقریباً ۲۹ سال میں آپ کی کانفرنس کو مختلف ہاتھوں سے سابقہ رہا ہے ۱۳۲۹ف تک ترقی و عروج سے سابقہ رہا۔ تمام ملک اس مرکز پر بلا لحاظ مذہب و ملت خوش دلی اور صفائی قلب سے مجتمع ہوگیا۔ ملک کی تعلیم ملک کے ہی قبضہ و اقتدار میں رہنے، بیرونی یونیورسٹی کی غلامی سے نجات ملنے، ملک کی تعلیم ملک کے ضروریات پر مبنی رہنے اور برٹش انڈیا میں جو درجہ انگریزی زبان کو تعلیمی حیثیت سے دیا گیا ہے وہ اردو کو ملنے کا منصوبہ اس کانفرنس کے ذریعہ قوت پکڑتا گیا اور جلد تر وہ سررشتہ تعلیمات کا متفقہ پروگرام بن گیا۔ سر اکبر حیدری اور ارکان مملکت اس پر بھی رضامند ہوچکے تھے کہ کانفرنس اپنے مقاصد اور دائرہ عمل میں ملک کی معاشی اور معاشرتی ترقی کو تعلیمی ترقی کی طرح شامل کرلے۔

اور کچھ دن اچھا کام بھی ہوا۔

حقیقت اور امعانِ نظر سے دیکھا جائے تو اس ملک کا ماحول جو سراپا مشرقیت رکھتا ہے مغرب اور خاص کر برٹش انڈیا سے قطعاً جدا ہے یہاں امتیازِ حاکم و محکوم مطلقاً نہیں ہے رعایا کی صلاح و فلاح اور رعایا کا تعاون حکومت کا نصب العین ہے اسی لحاظ سے سرکاری و غیر سرکاری امتیاز اور رعایا کی صلاح و فلاح کی کوششوں سے سرکاری حلقہ کی علیحدگی اور رعایا کا کوآپریشن نہیں بلکہ ایجیٹیشن اگرچہ مغرب اور برٹش انڈیا میں عام ہے مگر اس ملک کے لئے کچھ سودمند نظر نہیں آتا اور نہ اب تک صدیوں کی تاریخ میں ہی اس کا پتہ چلتا ہے۔

سر اکبر حیدری مرحوم جس زمانہ میں ہماری کانفرنس کے ساتھ تھے سرکاری اور غیر سرکاری بندشوں اور علیحدگی کو پسند نہ کرتے تھے۔ وہ متاعِ نیک بہ ہر دکان کہ باشد کی سودمندی کو سمجھتے تھے اور ان کا خیال و عمل بھی یہی تھا کہ کوئی شخص بھی خواہ وہ ملازم سرکار ہو یا غیر ملازم کوئی اچھی بات حکومت کے ساتھ کوآپریشن کی اسپرٹ میں پیش کرتا ہے تو وہ بلا لحاظ اس کے کہ وہ کون ہے ہر طرح قابلِ غور و لحاظ ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ برٹش انڈیا کے غیر سرکاری پلیٹ فارموں کی تقلید میں جہاں حکومت کو جا و بیجا برا بھلا سخت سست کہنا اور کوآپریشن کے بجائے ایجیٹیشن سے کام لینا عام ہے ہماری کانفرنس میں بھی دو ایک افراد نے بعینہ یہی تلخی و ناگواری کا اثر پیدا کیا اس وقت سخت تعریض غیر ضروری طور پر کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانفرنس کی رفتار بہت پیچھے ہٹ گئی اور معاشی ترقی کا نام اور مقصد ہم کو خارج کرنا پڑا۔ کانفرنس کا یہ دوسرا اور پسپائی کا دور تھا اور اس کی مشکلات کو دور کرنے میں مولوی مرتضیٰ مرحوم کو ۶ سال صرف کرنے پڑے عام اجلاس بند ہو گئے۔ البتہ تقسیم وظائف کا کام جاری رہا مجلس انتظامی کارگزار رہی انکے حسنِ دینت اور قوتِ خلوص نے پھر کانفرنس کو ابھارا اور تیسرا دور ساتویں اجلاس عام سے

بمقام حیدرآباد بصدارت جناب نواب مرزا یار جنگ بہادر سے آغاز ہوا اور اس طرح کانفرنس کو سابقہ مقام تک پہونچانے کے بعد مولٰنا مرتضیٰ مرحوم ہم سے دائمی طور پر جدا ہوگئے اور جناب سید خورشید علی صاحب سکریٹری کانفرنس قرار پائے سنہ ۱۳۳۹ف تک مزید تین اجلاس حیدرآباد میں ہوئے اور تقسیم وظائف کا کام ایک حد تک جاری رہا۔

سنہ ۱۳۴۰ف سے سنہ ۱۳۴۶ف تک چوتھا دور بے عملی محیط ہوا۔ بجز اس کے کہ محدود مقدار میں وظائف تقسیم ہوتے رہے کانفرنس کا کام عملاً بند ہوگیا۔ عام اجلاس و رکن رمجالس انتظامی و منتخبہ تک کے اجلاس تقریباً بند ہوگئے۔ کانفرنس کی خاموشی ہیلپس ایجوکیشنل کانفرنس انجمن طیلسانیین عثمانیہ اور سیاسی اداروں تک کو وجود میں لانے کا باعث ہوئی۔

اس خاموشی اور بے عملی کو دور کرنے میں جناب مولوی مرزا محمد بیگ صاحب اور جناب مولوی عبدالرحمن خان صاحب کی مساعی جمیلہ جنھوں نے ابتدا سے ابتک کانفرنس کا ساتھ انتہائی خلاص اور انتہائی قوت سے دیا ہے فراموش نہ ہوسکے اور اس کے ساتھ جناب نواب ناظر یار جنگ بہادر نے بھی تقویت پہونچائی۔ جناب سید خورشید علی صاحب سکریٹری کی ذمہ داری سے مستعفی ہوگئے مگر معتدبہ روپیہ جو اونکی تحویل میں تھا ہنوز کانفرنس کے تفویض نہ کیا اسکی کارروائی جاری ہے اور اگر احساس ذمہ داری نہ کیا گیا تو واقعات آج نہیں کل ظاہر ہو جائینگے۔

سنہ ۱۳۴۶ف سے کانفرنس کا پانچواں دور جدید سعی و عمل آغاز ہوا ہے اور اللہ جل شانہ کا فضل اور مشیت ہے کہ اس تقریباً پانچ سال کی مدت میں مجلس انتظامی کانفرنس اپنے محترم میر مجلس مولوی عبدالرحمن خان صاحب و دیگر رفقائے کار کی سرکردگی میں جو کچھ کام کرسکی ہے وہ ایسا ہے جس پر اطمینان و خوشی ظاہر کی جاسکتی ہے۔

ہولناک جنگ یورپ کی وجہ دنیا کا توازن قوت جنبش کر رہا ہے یہ ناممکن ہے کہ زمانہ امن و اطمینان کی طرح کام جاری رہ سکے اسی کا شکر بجا لانا چاہئیے کہ جب کہ ایک

براعظم میں تمام ہولناکیوں اور سفاکیوں کے ساتھ جنگ جاری ہے اور جب بڑی بڑی متمول اور متمدن مملکتوں کی ساری توانائی اور ساری قوت صرف جنگ میں ہی مصروف عمل ہے۔ ہماری وسیع مملکت میں جہاں شاہان آصفی کا بابرکت علم لہرا رہا ہے آپ اس قابل ہیں کہ اپنے حلیف برطانیہ کو قوت اور حقیقی فتح کے ساتھ جنگ جاری رکھنے میں مدد دیتے ہوئے خود اپنے ملک کے تعلیمی تمدنی ارتقاء کے مسائل میں غور و خوص کے ساتھ حصہ لے سکیں۔

اس دور انتشار میں صحیح تدبر اس کا مقتضی ہے کہ خیال آرائی میں انہماک اور سعی لاحاصل کے بجائے ساری قوتوں ساری مشکلوں اور ہر ایک مالہٗ و ماعلیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے بادشاہ اپنے ملک اپنی ملت کی عزت و عظمت و یکجہتی کو تقویت دے سکیں۔

کانفرنس کے کاموں میں اس کا عام اجلاس ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ۲ سال کے طویل وقفہ کے بعد حیدرآباد سے باہر ورنگل میں اس کا تیرھواں اجلاس بصدارت امیر محترم عالیجناب نواب کمال یار جنگ بہادر منعقد کرنے کے بعد جس میں کانفرنس کے قدیم دور کے اجلاسوں کی طرح تمام طبقات ملک سرکاری اور غیر سرکاری کی اجتماعی تائید و شرکت حاصل تھی۔ گلبرگہ میں اس کے اجلاس کو منعقد کرنے کی دعوت گلبرگہ کے معزز و محترم افراد نے دی اور اسکو قبول کر لیا گیا اور امیر اعظم پائیگاہ عالیجناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر نے ازراہ ہمدردی ملک و ملت منظور فرمائی کچھ اسباب ایسے ہوئے کہ گذشتہ موسم سرما کے اختتام پر اس کا اجلاس منعقد نہو سکا۔ امیر اعظم پائیگاہ و دیگر امراء عظام کی شرکت ملک و ملت کے رفاہی امور میں کانفرنس اور ملک کے لئے نیک فال ہے۔

کانفرنس نے بار بار کہا ہے اور اس کی اہمیت کے لحاظ سے بار بار کہنا پڑیگا کہ تعلیم اور مدارس سرکاری کے استفادہ میں سرکاری و غیر سرکاری ہر ایک ملت و مذہب کے جملہ طبقات کو یکساں سروکار ہے جس طرح ایک وکیل یا زمیندار یا معاشدار کا لڑکا تعلیم پاتا ہے اسی طرح جاگیردار حکام اہلکار چپراسی یہانتک کہ ذمہ داران انتظام

اور مدرسین و ملازمین سررشتہ تعلیمات کے بچے بھی پڑھتے ہیں سب ایک کشتی کے سوار اور ایک ہی ماحول سے سابقہ رکھتے ہیں اس لئے تعلیم کا مسئلہ اس ملک میں کاسموپولیٹن حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کانفرنس نے ابتداء سے اردو کی تعلیم و ترقی پر زور دیا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ملکی زبانوں کی تعلیم اور ترقی پر اثر ڈالا جائے۔ کانفرنس کا یہ مطمح نظر ہے کہ بدیشی اور بیرونی انگریزی کی جگہ اردو کو جو سارے ملک کی عام مروج زبان ہے دیجائے۔ اور اس کے مقابل اردو کے اخراج اور انگریزی کی ترویج کی انتہائی کوشش کچھ پسندیدہ وزن نہیں رکھتی ہے۔ کانفرنس کو کبھی فرقہ واریت اور تعصب سے سابقہ نہ رہا سرکاری طبقات کا بھی ملک کے دیگر افراد کے ساتھ ملک کی اور خاص کر تعلیم ملک کے صلاح و فلاح کی کوشش اس ملک کے مخصوص ماحول اور روایات کے لحاظ سے ایسی نہیں ہے کہ اس سے اجنبیت اور علٰحدگی کی جائے۔

کانفرنس کا دوسرا اہم کام اصولی مسائل تعلیم میں اظہار رائے اور استدعائے اصلاح ہے اگرچہ وقتاً فوقتاً کانفرنس کی تحریکات کو سمع قبول حاصل ہوتا رہا ہے اور اس کے لئے کانفرنس حکومت سرکار عالی اور سررشتہ تعلیمات کی ممنون و شکر گزار ہے مگر بعض تحریکات عرصہ سے معرض توجہ میں ہی چلے جا رہے ہیں اس امر کا اعتراف نہایت خوشی اور شکر گزاری کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس تعویق اور تاہل پر خود جناب مخدوم محترم آنریبل نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات نے توجہ فرما کر ایسے تحریکات تصفیہ طلب کی نقل طلب فرمائی ہے اور وعدہ فرمایا ہے کہ وہ کانفرنس کے زیر غور تحریکات پر ذمہ دار افسران تعلیمات اور نمائندۂ مجلس انتظامی کانفرنس کے بالمواجہہ انکی عملی دشواریوں کو حل کرنے پر غور فرمائیں گے۔ امید ہے کہ جلد تر ایسی صورت عمل میں آجائیگی۔ دراصل کسی اہم اور مفید تحریک کا دفاتر سرکاری کے سرخ فیتہ کی چکر میں آجانا انتظامی اور عملی نقطہ نظر سے کچھ مستحسن نہیں ہے۔ آسانی سے ملک کی تعلیم میں خامیوں کو دور اور غلطیوں کی اصلاح

ہو جا سکتی ہے دیگر سررشتہ جات کی طرح سررشتہ تعلیمات کے لئے مجلس مشاورت کا تصفیہ ہو چکا ہے اور امید کی جا سکتی ہے کہ اس میں کسی ایک شریک مجلس انتظامی کانفرنس کیلئے جو تعلیمی امور میں عظیم واقفیت اور سنجیدہ رائے رکھتا ہو جگہ موجود رہے گی اور جو حیدرآباد اور سررشتہ تعلیمات کا قدیم ادارہ ہے اس قسم کے مجالس مشاورت میں اور خاص کر مجلس مشورت تعلیمات میں فرقہ وارانہ اور کسی سیاسی تحریک کے شرکا ہی کو لینے کی خواہش اور اصرار کچھ مستحسن نہیں معلوم ہوتی ہے۔ متاع نیک بہ ہر دکان کہ باشد کا مقولہ صدیوں کا تجربہ ہے کبھی غلط ثابت نہ ہوا۔

سرکاری دفاتر میں بجائے انگریزی اردو کی ترویج کیلئے ایک اہم گشتی جناب نواب مہدی یار جنگ بہادر کے توجہات سے حسب الحکم معزز باب حکومت محکمہ فینانس سے اجرا ہو چکی ہے۔ محکمہ فینانس کو اس کے عملیت نفاذ پر توجہ دلانے کا یہ جواب ملا ہے کہ ایک کمیٹی اس پر غور کر رہی ہے اور گشتی مذکور کے متذکرہ فرہنگ اصطلاحات کی اشاعت کے متعلق سررشتہ تالیف و ترجمہ کا جواب ہے کہ وہ زیر غور ہے۔ بدقسمتی سے بیرون ملک سے آئے ہوئے ارباب حکومت اور بعض انگریزی تعلیم یافتہ اعلیٰ حکام اور سیول سرونٹ اردو تحریر پر بآسانی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ اور احساس کمتری اردو کی نسبت رکھتے ہیں اور وہ اپنی سہولت کیلئے اردو کے بجائے انگریزی میں کام کرتے ہیں یہ حالت پسندیدہ نہیں سمجھی جا سکتی حسن انصرام کار سارے دفاتر میں ایک ہی سرکاری قومی زبان میں کام کرنے پر منحصر ہے۔ سر علی امام مرحوم، عبداللہ یوسف علی صاحب، الما لطیفی صاحب، دیوان بہادر کرشنما چاری صاحب، ہالنس صاحب وغیرہ نے اردو میں کام کرنے کیلئے سعی بلیغ کی تھی۔ اب جناب صدر المہام بہادر مال [illegible] میں کچھ تحریرات بہ ذات خود فرمانے کی کوشش جاری فرمائی ہے۔ بہرحال دفاتر سرکاری میں انگریزی کے بجائے اردو میں سرکاری کام کو انجام دینے کی کوشش اور جدوجہد ضروری ہے۔

پوسٹ گراجویٹ ایجوکیشن یا اعلیٰ تحقیقاتی تعلیم کی جانب جس پر کانفرنس ہمیشہ توجہ دلاتی رہی ہے قدم آگے بڑھایا گیا ہے پی ایچ ڈی کی ڈگری کی جماعتیں کھل گئی ہیں

اور قانون کے اعلیٰ تعلیم کے لئے ال ال ام کی جماعت بھی کھل گئی ہے امید ہے کہ جلد دوسرے شعبہ ہائے جامعہ کے متعلق بھی اعلیٰ تحقیقات کی جانب قدم بڑھایا جائے گا یہ ملک کی اعلیٰ علمی ترقی کا معیار ہمہ داں اور متبحر علماء کے وجود پر منحصر رہتا ہے۔

ابتدائی تعلیم کی ترویج میں سررشتہ تعلیمات ہمہ تن متوجہ ہے اور کانفرنس کو مطلع کیا گیا ہے کہ اب ان تمام مواضع میں جہاں آبادی ایکہزار نفوس سے زاید ہے مدرسہ کھولا جارہا ہے اس کے بعد پانسو نفوس کے آباد مواضع میں مدرسے کھولے جائیں گے سررشتہ تعلیمات کے مشکلات اور دشواریاں اس بارے میں نظر انداز نہیں کیجا سکتیں۔

ارزانی کتب وسامان تعلیم اور جلد از جلد نصابی کتب کی عدم تبدیل کے اصول کو سررشتہ تعلیمات نے محسوس فرمالیا ہے اور ضروری غور ہورہا ہے اس بارے میں سررشتہ کو عملی موثر اقدام فرمانے کی ضرورت ہے باقی تحریکات کے متعلق جو کچھ جواب ملا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ کارروائی جاری ہے یا زیر غور ہے۔

تمام ہندوستان میں موجودہ طریقۂ تعلیم کے نقائص کو ہر جگہ تسلیم تو کیا جارہا ہے مگر اس کی اصلاح نہیں کہ ثقافت تہذیب روایات ملک کو فنا ہونے دیا جائے خدا سے برگشتگی بیگانگی اور لامذہبیت اور انسا دے رغبت پیدا نہ ہو کوئی مناسب تجاویز پیش نظر نہ ہوئی ہیں وردھا اسکیم بھی ناکام ہوگئی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی رپورٹ حال حال ہی میں شائع ہوئی جو عملاً برٹش انڈیا سے متعلق ہے مگر اس ملک میں عام تعلیم اور خاص کر ابتدائی وفوقانی مدارس میں تعلیم کا کیا لائحہ عمل ہو حقیقت میں بہت مشکل اور غور طلب مسئلہ ہے ماوشما کیلئے اس پر کچھ کام جو مقبولیت بھی حاصل کر سکے مشکل ہے مجلس انتظامی کانفرنس نے اس کیلئے ایک کمیٹی قائم کی ہے اس سلسلہ میں خوشی کے ساتھ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ جناب مخدوم محترم مولوی محمد عبدالرحمن خانصاحب بالقابہ نے اس اہم ترمبحث پر اپنی نظر دقیقہ رس دوڑانے اور خامہ فرسائی کا ارادہ فرمالیا ہے جو اصحاب جناب خاں صاحب کے ہمہ گیر مطالعہ ذوق

تحقیقات دقیقہ رسی سے واقف ہیں وہ امید کرسکتے ہیں کہ جناب خان صاحب کی
خامہ فرسائیوں اور دیدہ ریزی یہ ایک ایسی چیز ہوگی جو ہر طرح قابل لحاظ وغور
ہوگی اور یقیناً ملک وحکومت کو اس کے تحریر و ترتیب کے بعد اوس پر غور اور نتائج سے
استفادہ میں کبھی تامل نہ ہوگا۔

کانفرنس کا تیسرا اہم کام تقسیم وظائف ہے جو اعلیٰ تعلیم کیلئے شریف مگر نادار اور غریب
افراد کو دئے جاتے ہیں۔ اتبک کانفرنس نے ۲۸ سال میں کچھ کم ایک لاکھ روپیہ کی امداد
تقریباً چھ سو طالبان علم کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے اخفائے نام اور عزت نفس کو خفیف
ناگواری پہنچائے بغیر دی ہے کانفرنس کے وظائف کے ذریعہ قابل افراد کو تعلیم کی تکمیل میں بروقت
اس طرح مدد مل گئی کہ وہ خود کو سوسائٹی کا بہتر فرد بنا سکے بعض امداد یاب اس خفیف بروقت
امداد سے حکومت یا پبلک میں بلند مقام حاصل کر سکے تقسیم وظائف کا کام ایک سب کمیٹی کے ذریعہ جسمیں
بہتر اور بلا رعایت کام کرنے والے افراد شامل ہیں وظائف کو بلا لحاظ مذہب و ملت بلا رعایت
محض ضرورت کو مدنظر رکھ کر دئے جاتے ہیں یہ تعلیمی امداد بطور قرضہ حسنہ دیجاتی ہے کہ بعد فراغ
وحصول ذرائع معیشت یکمشت یا باقساط مناسب ادائی کر دیجائے بصورت انتہائی اوسکو حذف
کر دیا جاتا ہے آپکی مجلس وظائف ہر سال اپنے تعلیمی امداد کی مقدار بڑھاتی جاتی ہے اور سال
زیر تعلیم میں اسکی ماہانہ امداد پانسو دس روپے ہے جو بلا ناغہ اور ہر مہینہ تاریخ ہائے مقررہ پر تقسیم
کر دیجاتی ہے یہ رقم فی نفسہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن ممالک محروسہ میں ماہانہ اس باقاعدگی
سے اس قدر مقدار میں بھی کوئی ادارہ مالی امداد نہیں دیا کرتا۔ دفتر کانفرنس اپنے اس کام کی رفتار
بڑھانا چاہتا ہے اس قدر ماہانہ رقم سنین ماضیہ میں بھی صرف ہو سکتی تھی اور اس [illegible]
اس وجہ سے ہو سکی ہے کہ سابقہ امداد یاب افراد نے بوجہ حصول ذرائع معیشت اسکی واپسی کیلئے
حتی الامکان کوشش کی ہے۔ تجدید کانفرنس کے بعد پانچ سال میں تقریباً [illegible] ہزار
روپیہ اس طرح واپس وصول کیا جا سکا حالانکہ اس سے مضاعف مدت میں اس قدر رقم وصول نہ ہوئی

اگر بیاتی طلباء امداد باب توجہ فرمائیں تو زاید از ۵۰ ہزار روپیہ یا سانی وصول ہو جا سکتی ہے اور صرف اسکی بدولت کانفرنس کیلئے ماہانہ دو ڈھائی ہزار کی مقدار تک تعلیمی امداد کو بڑھا دینا بالکل آسان ہے

اس قومی اخلاقی فریضہ کی جانب کانفرنس کے امداد دیابوں کی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے غریب ہونہار طلباء کی مشکلات تعلیم ناقابل بیان ہیں اور ہر سال تعلیم کے آغاز پر امداد دیابوں کی کثیر تعداد جو قلیل امداد کے طلبگار رہتے ہیں مجلس وظائف کے کام کو نہایت درجہ مشکل اور نہایت درجہ دقت طلب بنادیتی ہے قلت سرمایہ کی وجہ وظائف کی بہت سی درخواستیں مسترد کردیجاتی ہیں اور مقدار امداد حسب ضرورت نہیں ہوسکتی ہے۔ اس ضمن میں اس کا اظہار کیا جاتا ہے کہ سر اکبر حیدری مرحوم نے حیدرآباد سے چلتے ہوئے ایکہزار روپیہ کی امداد سرکار عالی کیجانب سے کانفرنس کے وظائف کیلئے دی۔ کانفرنس کی خواہش ابتدائے قیام سے یہ رہی ہے کہ وہ بلا امداد سرکار اپنا کام چلائے اور اسی لئے اس نے سرکاری امداد کیلئے کسی سعی و تردد کو پسند نہ کیا مگر جب بطور خود امداد عطا ہوئی ہے تو مجلس انتظامی نے شکر گزاری کے ساتھ اسکو حاصل کیا۔

محمد فاروق صاحب سیول سرونٹ نے پانسو کا عطیہ ملازمین بلدیہ کیلئے چند وظائف کو ترجیح سے دینے کیلئے مجلس انتظامی کے سپرد کیا عرصہ سے کانفرنس کو اس مقدار میں کوئی انفرادی عطیہ نہ ملا۔ بہرحال غریب ہونہار مگر شریف طلباء کی امداد کیلئے ارباب کرم سے التجا ہے کہ انکی خفیف سے خفیف مدد بھی انکے لئے من سلویٰ کا کام دیتی ہے کیا شکر نعمت کے طور پر اپنی دولت کے کچھ ریزے وہ کانفرنس کی جھولی میں نہیں ڈال سکتے؟

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند   آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

نتیجہ کامیابی وظائف یابان اور گوشوارہ وظائف جاریہ روئداد کے ساتھ منسلک ہے مجلس انتظامی نے سرمایہ محفوظ کو جو اٹھارہ ہزار کی مقدار میں تھا اور رکوار یپیوڈ ومینین بنک میں میعادی منافعہ پر رکھا جاتا تھا اب سرکار عالی کے پرامیسری نوٹوں میں محفوظ کر دیا ہے اور اپنی خفیف آمدنی سے بھی کچھ بچا کر جملہ اکیس ہزار کے پرامیسری نوٹس سرکار عالی کے خریدے ہیں۔

تنقیح شدہ حسابات سال ماضی اس کے ساتھ منسلک ہیں لیکن جب سے اس کانفرنس کا پانچواں دور
آغاز ہوا ہے اس کا حقیقی آمد و خرچ بھی مختصراً منسلک کر دیا گیا ہے حسابات کی تنقیح جناب شراج ایر صاحب
رجسٹرڈ اکاؤنٹنٹس آڈیٹرس اینڈ کمپنی نے براہ مہربانی سابق کی طرح سال گزشتہ بھی بلا معاوضہ فرمائی
ہے اس کیلئے صاحب موصوف کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے ۔

دردمندان ملک و ملت! آپ کی کانفرنس کی کامیابی قوت آپکے مرکزی اور اجتماعی تعاون [illegible] پر منحصر ہے جس قدر آپ کا اجتماع اس کانفرنس کے
گرد وسعت پاتا جائیگا اسی قدر اسکی ہمہ گیری کامیابی کا تیقن کیا جاسکتا ہے مگر تاسف تو یہ ہے کہ ایک عام
لامرکزیت سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہے انفرادی ترقی اور ذاتیات میں انہماک ہی کا مفاد ہر طرف محیط ہے
ہی مقصد پر علحدہ علحدہ افتراق عمل کیساتھ کوشش چنداں نتیجہ خیز نہ دکھائی دیتی ہے ۔

خیزید کہ ہنگام صبوح دگر آمد * شب رفت و ز مشرق علم صبح بر آمد
نزدیک خروس از پے بیداری مستاں * دیریست کہ پیغام نسیم سحر آمد

اپنی ذاتی کوتاہی عمل کے اعتراف اور ساتھ ہی جناب مولوی عبدالرحمن خاں صاحب میر مجلس و دیگر رفقائے محترم اراکین مجلس
انتظامی کانفرنس کی محنت اور سعی عمل کے اعتراف پر جو اس کانفرنس کیساتھ ہے اس روداد کو ختم کیا جاتا ہے اور
سکریٹری کانفرنس کی حیثیت سے برادر مرحوم کے الفاظ کو جو وہ ہر آخری تقریر میں خلوص و دردمندی کیساتھ
فرماتے تھے دہراتا ہوں "عظیم مقصد ہمارے پیش نظر ہے اسکے لئے بہت کچھ کرنا ہے سرکار کے مبارک ارادے کی عملی
صورت میں جلوہ گری کانفرنس کے عمل اور سعی و کوشش پر منحصر ہے ضرورت ہے کہ تعلیمی سعی و کوشش کا ایک مضبوط
سلسلہ قائم ہو اور تمام ملک میں ایک باقاعدہ کام کرنیوالی جماعت قائم ہو جائے ۔ دعا ہے کہ زیر سایہ اعلیحضرت
مدظلہ العالی ہمارا اقدام راسخ ارادہ مضبوط اور عمل میں خلوص روز افزوں ہو ۔ کانفرنس کو اپنے ثمرات عمل کے بقائے
دیرپائی نصیب ہو اور قلمرو آصفی میں جابجا اس کے جلسے تخت آصفی کے زیر سایہ مسلسل اور روز افزوں
رونق اور کامیابی کے ساتھ اپنا شمار بڑھاتے جائیں ۔ فقط

محمد مظہر (معتمد اعزازی)

مطبوعہ

مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد

Abdul Ghaffar